ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۵۰
جلد: ۳۱ ، شمارہ: ۲

ربیع الآخر ۱۴۳۴ھ = فروری ۲۰۱۳ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

اشتراک کے لیے ڈرافٹ مندرجہ ذیل نام سے بنوائیں

Name: **DAR-UT-TALEEF WAT-TARJAMA**
Bank: **ALLAHABAD BANK**
KAMACHHA, VARANASI
A/cNo.2**1044906358**
IFSC Code: ALLA0210547
SWIFT Code:

مراسلت کا پتہ
Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010
www.mohaddis.org

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت......	محمد اسلم مبارک پوری	۶
۵-نماز جمعہ کے احکام ومسائل	عبدالولی عبدالقوی	۱۵
۶-اوقات صلوۃ احادیث......	محمد اسلم مبارک پوری	۲۰
۷-قطع رحمی ایک جرم عظیم......	مولانا علی حسین سلفی	۲۴
۸-اسلام زوروزبردستی کا......	عزیر احمد	۲۸
۹-محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم......	نسیم اختر عبدالمجید	۳۳
۱۰-جنوبی ہند کا ایک دعوتی سفر...	راشد حسن فضل حق	۳۸
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۴
۱۲-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۳-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(صحاح ستہ)

(۱۴) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

امام بخاری رحمہ اللہ کے بعد آپ کے شاگردوں نے بھی آپ ہی کے طرز پر حدیث کی کتابیں مرتب کیں، اور ایک کے بعد ایک آنے والے محدثین کرام نے بہتر سے بہتر ترتیب دینے کی کوشش کی اور فقہی ابواب پر مشتمل حدیث کی کتابیں لکھی گئیں، ہرایک کا نیا اسلوب وطریقہ اور صحت کا پیمانہ رہا، ان کتابوں میں سے جوسب سے زیادہ رائج اور مرجع خلائق ہیں ان کو ہم صحاح ستہ کے نام سے جانتے ہیں جن میں سب سے اعلی مقام صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا ہے اور جو حدیث ان دونوں کتابوں میں موجود ہو، ان کو متفق علیہ روایت کہا جاتا ہے جو صحت وسند کے اعتبار سے سب سے زیادہ اعلی تسلیم کی گئی ہے۔

ان چھ محدثین کرام کی تفصیل کا یہ مضمون متحمل نہیں ہوسکتا، میرا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اسلام کی دو اساس قرآن اور حدیث کس پیمانہ کی کتابیں ہیں اور اسلامی شریعت کی بنیاد جن علمی اساس پر قائم ہے اس کی حفاظت کے لیے اللہ نے کیا وسائل مہیا کئے اور کس طریقہ سے قرآن وحدیث کو کتابی شکل میں مرتب کیا گیا، ان کتب حدیث کی تدوین کا زمانہ دو سے تین سوسال کا زمانہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کرام کو قرآن کے علاوہ اپنے فرامین لکھنے سے منع کرکے احادیث کو یاد رکھنے کی تاکید فرمائی اور یہ طریقہ محدثین کرام تک سینہ درسینہ جاری رہا، اللہ کے ان بندوں نے احادیث کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر اپنی کتابوں میں جمع کیا۔ آج کے ترقی یافتہ دور سے ہم اس کا موازنہ نہیں کرسکتے، آج ہرطرح کی آسائش وآسانیاں ہیں، ہم بہت کم وقت میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے، اور لکھی ہوئی چیزیں حاصل کرسکتے ہیں اور ایک دوسرے کے بارے میں معلومات لے سکتے ہیں۔

محدثین کے دور میں نہ چھاپے خانے تھے نہ پختہ سڑکیں تھیں اور نہ دور سے بات کرنے کے وسائل تھے، بہت سے علماء نے کتابیں لکھیں تھیں، مگر ان محدثین کرام نے ہراستاد سے جاکر حدیث معلوم کرنے کی کوشش کی، اس کے لیے ہزاروں میل کا سفر کیا، سیکڑوں اساتذہ سے علم حاصل کیا، درجنوں شہروں وقصبوں کا دورہ کیا، راویوں کے حالات کو جانا، جھوٹے اور فاسق رواۃ کے بارے میں کتابیں لکھیں، علماء اور فقہاء کے اقوال کو تولا اور وہ کتابیں مرتب کیں کہ قیامت تک کے لیے احادیث رسول محفوظ ہوگئیں اور آج کسی مسئلہ کی جانچ کے لیے ہمارے پاس احادیث رسول کا ذخیرہ اور اس کے جانچنے کا پیمانہ موجود ہے۔ ان کتب حدیث میں جوسب سے زیادہ مشہور ہوئیں ان کو ہم صحاح ستہ کے نام سے جانتے ہیں۔ ان چھ کتابوں

(بقیہ صفحہ ۳۲ پر)

درس حدیث

خدمت خلق کی اہمیت اوراس کا اجروثواب

مولانا عبدالمتین مدنی

وَعَنْ اِبْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ النَّاسِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ وَأَيُّ الْأَعْمَالِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ فَقَالَ: أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللّٰهِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ وَأَحَبُّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ سُرُوْرٌ يُدْخِلُهُ عَلٰى مُسْلِمٍ أَوْ يَكْشِفُ عَنْهُ كُرْبَةً أَوْ يَقْضِيْ عَنْهُ دَيْنًا أَوْ يَطْرُدُ عَنْهُ جُوْعًا وَلَئِنْ أَمْشِيْ مَعَ أَخٍ لِّيْ فِيْ حَاجَةٍ أَحَبُّ إِلَى مِنْ أَنْ أَعْتَكِفَ فِيْ هَذَا الْمَسْجِدِ يَعْنِيْ مَسْجِدَ الْمَدِيْنَةِ شَهْرًا. (أخرجه الطبراني في المعجم الكبير وحسنه الألباني، سلسلة الأحاديث الصحيحة ح: ٩٠٦، صحيح الترغيب والترهيب ح: ٢٦٢٣)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آکر سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول کون شخص اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے، آپ نے فرمایا: اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو لوگوں کے لیے سب سے زیادہ نفع بخش ہو اور اللہ کو سب سے محبوب عمل کسی مسلمان کو خوشی کا موقع فراہم کرنا یا اس کی کسی تکلیف کو دور کرنا یا اس کے کسی قرض کو ادا کرنا یا اس کی بھوک کو مٹانا ہے اور اگر میں اپنے کسی بھائی کی کسی ضرورت کی تکمیل کے لیے اس کے ساتھ جاؤں یہ میرے نزدیک اس مسجد یعنی مسجد مدینہ میں ایک مہینہ اعتکاف کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی حکمت ومصلحت کے پیش نظر انسانی معاشرہ کے افراد کے درمیان تفاضل وامتیاز قائم کیا ہے۔کوئی امیر ہے تو کوئی غریب، کوئی صحت مند ہے تو کوئی بیمار، کوئی عالم ہے تو کوئی علم سے محروم، کوئی آقا ہے تو کوئی اس کا ماتحت اور اللہ نے خوشحال اور اہل ثروت لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ معاشرہ کے کمزور اور غریب لوگوں کی خبر گیری کریں، ان کی ہر ممکن مدد کریں تا کہ معاشرہ کے افراد کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رہے اور رسہ کشی کا ماحول نہ رہے۔ یہ مبارک عمل خدمت خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی اہمیت اور اس کے اجروثواب کا اندازہ مذکورہ بالا حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہ پیغمبرانہ مشن ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں خدمت خلق کے اس عمل کو خاص طور سے ذکر فرمایا کہ وہ جب مدین پہنچے تو دو شریف زادیوں کے جانور کو بلا معاوضہ پانی پلایا، خود اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت طیبہ خدمت خلق کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ پہلی وحی نازل ہونے کے بعد جب آپ اپنے گھر تشریف لائے اور ام المؤمنین حضرت خدیجہ نے آپ کو تسلی دی تو اس موقع پر آپ کے خدمت خلق کے کارناموں کو ہی شمار کرایا۔

خدمت خلق یہ ایک انسانی فریضہ ہے اور مروت ورحمدلی کا تقاضا ہے کہ ہمارے ہی جیسا ایک انسان اگر ہمارے کسی تعاون کا محتاج ہے تو آخر کیوں اس کی مدد نہ کی جائے، کیا اسے اس دنیا میں آرام اور عزت کے ساتھ رہنے کا حق حاصل نہیں ہے؟ کیا وہ اللہ کی مخلوق نہیں ہے؟ اور کیا ہمارے پاس اس بات کی کوئی ضمانت ہے لا قدر الله (اللہ ایسا نہ کرے) ہم اس طرح کی مجبوری اور پریشانی سے دوچار نہیں ہوسکتے۔

ہمارے حالات گردش میں نہیں آسکتے، ہماری ثروت، راحت اور سکون چھن نہیں سکتا، اس لیے انسانی معاشرہ کے تئیں ہم اپنی ذمہ داری کو سمجھیں، پریشاں حالوں کے کرب کو محسوس کریں اور خدمت خلق کے عظیم فریضہ کو انجام دینے کے لیے ہم کمربستہ ہوجائیں اور اللہ کے نزدیک محبوب بننے کے لیے اس کے بندوں کو زیادہ سے زیادہ فیض پہونچائیں، ﴿و أحسن كما أحسن الله إليك﴾ [القمان] جس طرح اللہ نے آپ پر احسان کیا اور اپنی نعمتوں سے نوازا، اس طرح آپ بھی اپنے حسن وسلوک سے اللہ کے بندوں کو فائدہ پہونچائیں اور ان کی ضرورتوں کو پوری کریں۔☆

افتتاحیہ

سنت نبوی اور امن عالم

کے موضوع پر

جامعہ سلفیہ بنارس میں عالمی کانفرنس اور سیمینار کی تیاریاں آخری مرحلہ میں

جامعہ سلفیہ بنارس نے ۳-۴/ جمادی الاولی ۱۴۳۴ھ/ ۱۶-۱۷/ مارچ ۲۰۱۳ء کو سرخی میں مذکور موضوع پر عالمی کانفرنس اور سیمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے، جس میں ملک اور بیرون ملک کی نامور شخصیات کو شرکت کی دعوت دی جا چکی ہے، جن کی منظوریاں موصول ہو رہی ہیں، کانفرنس میں علماء کرام اور دانشوران ملک وملت کے خطابات کے علاوہ سیمینار میں ارباب فکر وقلم کانفرنس کے مرکزی موضوع کے ذیلی موضوعات پر اپنے مقالات پیش کریں گے، جس کے لیے دعوت نامے اور ذیلی موضوعات کی فہرست ارسال کی جا چکی ہے، ایسے حضرات کی بڑی تعداد کی شرکت کی قومی امید ہے۔

جامعہ سلفیہ نے سابقہ سالوں میں متعدد موضوعات پر عالمی کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کئے ہیں جن کی کامیابیاں مدارس وجامعات اور جماعت کی تاریخ میں سنگ میل اور یادگار کا درجہ رکھتی ہیں، مذکورہ موضوع پر یہ کانفرنس اور سیمینار ذمہ داران جامعہ اور اساتذہ کرام نیز بعض سلفی اخوان مقیم سعودی عرب کے غور وخوض اور مشورہ کے بعد منعقد ہو رہے ہیں، موجودہ حالات میں بنی نوع انسان کرۂ ارض پر جس خوف ودہشت، بدامنی، ناامیدی، قتل وخونریزی اور ناپائدار ودھندلے حالات کی کڑی دھوپ میں زندگی گذار رہا ہے وہ خوفناک اور تاریک مستقبل کا غماز ہے اور اندیشہ ہے کہ نسل انسانی کو کسی بڑی تباہی سے نہ گذرنا پڑے، ایسے میں دردمند روحوں اور امن وآشتی کے سچے طلب گاروں کا بے چین ہونا فطری امر ہے، جو انسانیت کو ایسے بھیانک نتیجے سے بچانے کے لیے واقعی اضطراب رکھتے ہیں، اس عالمی کانفرنس اور سیمینار کا فکری پس منظر یہی ہے، اور ہمارا یہ یقین کامل ہے کہ رحمۃ للعالمین، خاتم الانبیاء والمرسلین کی سیرت وسنت ان امراض کی دواء شافی ہے، اس کانفرنس اور سیمینار سے ہم یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اے آدم وحوا کی اولاد اپنے بدامنی اور خوف ودہشت کے حالات کو رفع کرنے کے لیے اس نبی رحمت دوجہاں کے طور طریقوں کو آنکھیں کھول کر دیکھو اور پرکھو تمہاری ساری بدامنیوں اور اضطراب کے خاتمہ کے لیے یہاں بے مثال اور تیر بہدف نسخے دستیاب ہوں گے۔

اب اخیر میں ایک بات جذبۂ خیر کے حامل اور دردمند اصحاب قلم سے، کہ: سیمینار کے ذیلی موضوعات پر جو حضرات بھی شائستہ اور صدق پر مبنی تحریر کے لیے قلم اٹھانا چاہتے ہوں وہ اپنے مقالے تیار کر سکتے ہیں بلکہ ضرور تیار کریں، سیمینار میں وقت کی تنگ دامانی کے باعث ہر مقالے کے پڑھے جانے کا موقعہ نہیں مل پاتا، لیکن یہ ضرور ہے کہ کانفرنس اور سیمینار کے

خاص شمارہ کی ترتیب میں ان شاء اللہ ان مقالات کو بھی ان کے جذبۂ صادق اور شائستگی کی بنا پر جگہ دی جائے گی، ایسے حضرات کی سہولت کے لیے ہم ماہنامہ محدث میں ذیلی موضوعات کی فہرست شائع کررہے ہیں تاکہ اصحاب قلم اپنے پسندیدہ موضوعات پر اپنے جذبات وافکار اور علوم کو تحریر کی شکل دے سکیں۔

مجوزہ ذیلی عناوین سیمینار بعنوان: ''سنت نبوی اور امن عالم''

۱-سنت کا مفہوم اور اس کی حجیت
۲- سنت نبوی کی تدوین اور اس کا ارتقاء
۳-انکار حدیث: ایک جائزہ
۴-ایمان بالرسل: ایک جائزہ
۵- توحید اور امن عالم
۶- انسانی حقوق اور سنت نبویہ
۷- خطبہ حجۃ الوداع: حقوق انسانی کا اسلامی منشور
۸- غیر مسلموں کے حقوق احادیث نبویہ کی روشنی میں
۹- عصر حاضر میں حقوق نسواں کی تحریکیں اور اسلامی نقطۂ نظر
۱۰-فتح مکہ: امن عالم کے لیے پیغام نبوت
۱۱- صلح حدیبیہ: حقائق ونتائج
۱۲-میثاق مدینہ اور امن عالم
۱۳-مسلم امراء کے نام نبی اکرم ﷺ کے فرامین کا تفصیلی جائزہ
۱۴-جنگ کی اخلاقیات: احادیث نبویہ کی روشنی میں
۱۵-تعلیم وتربیت کا نبوی نظام اور امن عالم پر اس کے اثرات
۱۶-تشدد کے موجودہ رجحانات اور سنت نبوی
۱۷-صحابہ رسول اور امن عالم
۱۸-سفارت کاروں کا تحفظ: اسلامی نقطۂ نظر
۱۹-آزادی رائے اور اس کی حدود: کتاب وسنت کی روشنی میں
۲۰-عالم اسلام کے موجودہ انقلابات: کتاب وسنت کی روشنی میں
۲۱-خودکش بمبار اور ان کی شرعی حیثیت
۲۲-عصر حاضر میں سیرت نبوی کا تعارف اور جدید ذرائع ابلاغ
۲۳-سیرت طیبہ اور اسلامی رواداری
۲۴-خلفائے راشدین اور اسلامی رواداری
۲۵-امن عالم اور موجودہ عالمی طاقتوں کا جانب دارانہ رویہ
۲۶-امن عالم کے فروغ میں میڈیا کا کردار
۲۷-اسلام سے متعلق برادران وطن کی غلط فہمیاں اور حقائق
۲۸-اسلامی عدل کی ہمہ گیری
۲۹-جامعہ سلفیہ اور اشاعت سنت نبویہ
۳۰-مالی بدعنوانیوں کا انسداد: سنت کی روشنی میں
۳۱-نظام احتساب: سنت نبوی کی روشنی میں
۳۲-اسلامی حدود وتعزیرات اور امن عالم
۳۳-اسلامی عائلی نظام اور امن عالم
۳۴-اسلامی قضا اور امن عالم
۳۵-اسلامی عبادات امن وامان کی ضامن
۳۶-تعلیمات سنت اور تحفظ نسواں
۳۷-تعلیمات سنت اور تحفظ اولاد
۳۸-منشیات اور امن عالم

☆☆☆

نبی اکرم ﷺ کی سخاوت وفیاضی

محمد اسلم مبارک پوری

آپ ﷺ جودوکرم، سخاوت وفیاضی میں ضرب المثل تھے۔آپ ﷺ کا جودوکرم ایسا تھا جس کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔آپ اس شخص کی طرح بخشش ونوازش فرماتے، جسے فقرومحتاجی کا اندیشہ ہی نہ ہو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب سے بڑھ کر پیکر جودوسخا تھے۔اورآپ کا دریائے سخاوت رمضان کے مقدس مہینہ میں اس وقت زیادہ پُر جوش ہوتا جب جبرئیل علیہ السلام آپ سے ملاقات فرماتے۔جبرئیل علیہ السلام رمضان میں آپ ﷺ سے ہررات ملاقات فرماتے،اورقرآن کا دورکراتے۔رسول اللہ ﷺ خیر کی سخاوت میں (خزائن رحمت سے مالا مال کرکے) بھیجی ہوئی ہواسے بھی زیادہ پیش پیش ہوتے تھے۔[۱]

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ ﷺ سے کوئی چیز مانگی گئی ہو،اورآپ نے ''نہیں'' کہہ دیا ہو۔[۲]

کبھی سائل کو واپس نہ کرتے اور نہ ہی زبان مبارک پر حرف انکارلاتے۔اگر کچھ بھی دینے کے لیے نہ ہوتا،عذر کرلیتے گویا کوئی شخص معافی چاہتا ہے۔[۳]

جودوسخاوت اس قدرتھی کہ ہدیہ دینے والے شخص کو بھی خالی ہاتھ واپس نہ کرتے بلکہ دادودہش سے نوازتے،اورتحفے بھیجتے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:''كان رسول الله ﷺ يقبل الهدية و يثيب عليها [۴] نبی ﷺ ہدیہ قبول کرتے تھے،اورخود بھی تحفے دیتے۔

جوقیمتی تحائف آپ ﷺ کے پاس آتے،انھیں خوداستعمال نہ کرتے،اورنہ ہی آپ ﷺ ذخیرہ بنا کررکھتے، بلکہ انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ پرتقسیم فرمادیا کرتے۔[۵]

آپ ﷺ کی جودوسخاوت کی چندمثالیں زیب قرطاس کی جارہی ہیں تاکہ آپ ﷺ کی امت اسے پڑھ کراپنے اندر جودوسخاوت کا داعیہ پیدا کرے۔اوراللہ کے راستے میں جودوسخاوت کرکے خیروبرکات کو اپنے دامن میں سموئے،اور دوسروں کو بھی اس کارخیر پرابھارے۔

---

[۱] بخاری[۶]،مسلم[۲۳۰۸/۵۰] [۲] بخاری[۶۰۳۴]،مسلم[۲۳۱۱/۵۶]
[۳] رحمۃ للعالمین [۲۶۱/۱] [۴] بخاری [۲۵۸۵]
[۵] ترمذی [۲۳۶۲]بسند جید،بروایت انس،ہدایۃ الرواۃ [۲۸۷/۵] مختصرالشمائل [۳۰۴]

۱-انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ مانگا گیا، آپ ﷺ نے دینے سے انکار نہیں کیا۔ایک مرتبہ ایک آدمی (جو نیا نیا اسلام لایا تھا) آپ ﷺ سے سوال کیا کہ ان دو پہاڑوں کے درمیان کی بکریاں اسے دے دی جائیں۔ چنانچہ نبی ﷺ نے وہ چیز اسے عطا کردی۔اس عطا پر وہ اتنا باغ باغ ہوا کہ دوڑا دوڑا اپنی قوم کے پاس گیا۔ اور فرط مسرت سے کہا: ''یاقوم! أسلموا'' اے میری قوم کے لوگو! اسلام لے آؤ۔

فإن محمدا يعطي عطاء، لا يخشى الفاقة [۱] اس لیے کہ محمد (ﷺ) خوب دیتے ہیں، فقر وفاقہ سے نہیں ڈرتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے: ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے دو پہاڑوں کے درمیان کی زمین مانگی، آپ ﷺ نے اسے عطا کردی۔ وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور بیان کیا کہ نبی ﷺ نے مجھے بہت بڑی جائداد دی ہے اس لیے تم لوگ بھی اسلام لے آؤ۔

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: چند افراد تو محض دنیاوی مال ودولت کے حصول کے لیے اسلام لے آئے، اور جب اسلام سے سرفراز ہوگئے تو اسلام ان کے نزدیک ہر چیز سے پیارا ہوگیا۔ [۲]

۲-صفوان ابن امیہ ساداتِ قریش میں سے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا تو وہ ڈر کے مارے فرار ہوگئے۔رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس لانے کے لیے ایک آدمی بھیجا، اور اسے پروانہ امن عطا کیا۔اس واقعہ کی تفصیل امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب زہری سے روایت کیا ہے۔وہ بیان کرتے ہیں کہ عہدی نبوی میں عورتیں اسلام لاتی تھیں، اور ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے اپنے گھروں محلوں میں رہتی تھیں۔ یہ عورتیں تو مشرف بہ اسلام ہوجاتیں مگران کے شوہر کفر پر ڈٹے رہتے۔انھیں صحابیات رسول میں سے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ فاختہ بنت ولید بن مغیرہ بھی تھیں۔ جو صفوان بن امیہ کی عقد زوجیت میں تھیں۔اور فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ چونکہ صفوان بن امیہ قریش کا ایک اہم لیڈر ہونے کی حیثیت سے اپنی جان کا خطرہ محسوس کرتا تھا، اس لیے موقع پا کر فرار ہوگیا۔عمیر بن وہب جمحی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اس کے لیے امان طلب کی۔آپ ﷺ نے امان دے دی اور علامت کے طور پر عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنی وہ پگڑی دے دی جو مکہ میں داخلے کے وقت آپ ﷺ نے سر پر باندھ رکھی تھی۔عمیر رضی اللہ عنہ، صفوان بن امیہ کے پاس پہنچے تو جدہ کے راستے سے یمن جانے کے لیے سمندر میں سوار ہونے کے لیے تیار تھا۔عمیر رضی اللہ عنہ اسے واپس لے آئے۔صفوان نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: مجھے دو مہینے کا اختیار دیجئے۔اور جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس آیا تو بھری مجلس میں آپ ﷺ کا نام لے کر پکارا۔اور کہا:

يا محمد، إن هذا وهب بن عمير جاء ني بردائك وزعم أنك دعوتني إلى القدوم عليك۔اے

---

[۱] مسلم [۲۳۱۲/۵۷] [۲] مسلم [۲۳۱۲/۵۸]

محمد! وہب بن عمیر (موطا کی روایت میں ایسے ہی ہے موسیٰ بن عقبہ اور دیگر اصحاب مغازی نے لکھا ہے کہ صحیح عمیر بن وہب ہے، اوران کی کنیت ''ابووہب'' ہے[۱]) میرے پاس آپ کی پگڑی لے کر آیا ہے، اور یہ کہہ رہا ہے کہ آپ نے مجھے اپنے پاس بلایا ہے۔ اگر میں حلقہ بگوش اسلام ہوجاؤں تو آپ اسے شرفِ قبولیت بخشیں ورنہ مجھے دوماہ کا اختیار دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابووہب ذرا اترو۔ اس نے کہا: اس وقت تک نہیں اتروں گا جب تک کہ آپ ﷺ میرے بارے میں کچھ واضح نہ کردیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بل لك تسير أربعة أشهر'' تمہیں دوماہ کی نہیں، بلکہ چار ماہ کی مہلت ہے۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے حنین کی طرف کوچ فرمایا۔ یہ ۶ شوال ۸ھ ہجری، سنیچر کا دن تھا۔ آپ نے صفوان بن امیہ کے پاس آدمی بھیجا کہ ان سے سوزِرہیں ادھار لے لیں۔ اس نے خوشی خوشی جنگ کے آلات واوزار دے دیا۔ اور بذات خود نبی ﷺ کے ہمراہ نکلا۔ اور کفر پر قائم رہتے ہوئے غزوہ حنین اور طائف میں شریک رہا۔

اس کے بعد صفوان بن امیہ نے اسلام قبول کیا۔ اوران کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہوچکی تھی۔ آپ ﷺ نے دونوں کو پہلے ہی نکاح پر برقرار رکھا۔ [۲]

ابن شہاب زہری کی دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد مسلمانوں کو لے کر حنین کی طرف کوچ فرمایا، اور بارہ ہزار کی فوج آپ ﷺ کے ہم رکاب تھی۔ دس ہزار وہ جو فتح مکہ کے لیے آپ ﷺ کے ہمراہ تشریف لائی تھی۔ اور دو ہزار باشندگان مکہ کی، جن میں اکثریت نومسلموں کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے غزوہ حنین میں آپ ﷺ کو فتح سے ہمکنار کیا۔ مسلمانوں کو سرفرازی، اور دینِ اسلام کو تقویت ملی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے صفوان بن امیہ کو سواونٹ، پھر سواونٹ، پھر سواونٹ (یعنی تین سواونٹ) دیا۔

ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ مجھ سے سعید بن مسیّب نے بیان کیا کہ صفوان بن امیہ نے کہا: اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے خوب دیا۔ اور میں آپ سے حد درجہ بغض رکھتا۔ آپ کا چہرہ سب سے مبغوض چہرہ تھا۔ جب آپ ﷺ نے مجھے دینا شروع کیا تو آپ ﷺ کا چہرہ سب سے پیارا، اور آپ کی شخصیت سب سے محبوب بن گئی۔ [۳]

یہ تھی نبی ﷺ کی سخاوت اور دریا دلی، یہ تھا آپ ﷺ کا جودوکرم اور آپ کی عطیہ نوازی، جس کی وجہ سے صفوان بن امیہ اور دیگر افراد حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اوران لوگوں نے نبی ﷺ کی بابت یہ پیغام عام کیا کہ آپ ﷺ بے دریغ عطیہ دیتے ہیں کہ انھیں فقر ومحتاجگی کا اندیشہ ہی نہیں رہتا۔

---

[۱] شرح الزرقانی علی الموطا [۱۹۹/۳]

[۲] موطأ امام مالک ص (۴۲۸) [۱۱۸۱] مرسلا، ابن عبدالبر قرطبی کہتے ہیں: یہ بہت مشہور حدیث ہے، اس حدیث کی شہرت ہی اس کی صحت کے لیے کافی ہے۔ بحوالہ شرح الزرقانی [۱۹۸/۳]

[۳] مسلم [۲۳۱۳/۵۹]

۳-غزوہ حنین سے فتح یاب ہوکر رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا محاصرہ کیا۔ یہ دراصل غزوہ حنین کا امتداد ہے۔ چوں کہ ہوازن اور ثقیف کے بیشتر شکست خوردہ افراد اپنے جنرل کمانڈر مالک بن عوف نصری کے ساتھ بھاگ کر طائف آئے تھے، اور یہیں قلعہ بند ہوگئے تھے۔لہذا رسول اللہ ﷺ نے حنین سے فارغ ہوکر، اور مقام جعرانہ میں مال غنیمت جمع فرما کر طائف کا قصد کیا۔اوران کا محاصرہ کیا۔جب رسول اللہ ﷺ طائف کا محاصرہ ختم کرکے واپس آئے تو جعرانہ میں کئی روز مالِ غنیمت تقسیم کیے بغیر ٹھہرے رہے۔اس تاخیر کا مقصد یہ تھا کہ ہوازن کا وفد تائب ہوکر آپ ﷺ کی خدمت میں آجائے اور جو کچھ کھویا ہے، سب لے جائے۔لیکن تاخیر کے باوجود جب آپ ﷺ کے پاس کوئی نہ آیا تو آپ نے مالِ غنیمت کی تقسیم شروع کردی۔تاکہ قبائل کے رؤوساء اور مکہ کے اشراف کی زبان خاموش ہوجائے۔تقسیم کے معاملہ میں مؤلفۃ القلوب (جو لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہوں، ان کا دل جوڑنے کے لیے انہیں مالی مدد دی جائے تاکہ وہ اسلام پر مضبوطی سے جم جائیں) کی قسمت نے سب سے پہلے یاوری کی اور انھیں بڑے بڑے حصے دیئے گئے۔آپ ﷺ نے ابوسفیان بن حرب کو چالیس اوقیہ (چھ کیلو سے کچھ کم چاندی) اور ایک سو اونٹ عطا کیا۔اس نے کہا کہ میرا بیٹا یزید؟ آپ ﷺ نے اتنا ہی اس کے یزید کو بھی دیا۔پھر اس نے کہا: میرا بیٹا معاویہ؟ آپ ﷺ نے اسے بھی اتنا ہی دیا۔یعنی ابوسفیان کو اس کے بیٹوں سمیت تقریبا ۱۸/کیلو چاندی اور تین سو اونٹ حاصل ہوگئے۔

حکیم بن حزام کو سو اونٹ ملا، پھر مانگا تو پھر آپ ﷺ نے مزید دیا۔نضر بن حارث بن کلدہ کو سو اونٹ ملا۔اسید بن جاریہ ثقفی کو سو اونٹ ملا۔علاء بن حارثہ ثقفی کو پچاس اونٹ ملا۔مخرمہ بن نوفل کو بھی پچاس اونٹ ملا۔حارث بن ہشام کو سو اونٹ ملا۔سعید بن یربوع کو پچاس اونٹ ملا۔صفوان بن امیہ کو سو اونٹ ملا، اور قیس بن عدی کو بھی سو اونٹ۔حویطب بن عبدالعزی، اقرع بن حابس تمیمی، عیینہ بن حصن اور مالک بن عوف کے حصے میں سو سو اونٹ ملے۔اور سہیل بن عمرو کو بھی اتنے ہی مقدار میں اونٹ ملا۔ہشام بن عمرو عامری اور عباس بن مرداس کو پچاس پچاس اونٹ ملا۔اس نے کچھ شعر کہا تو آپ ﷺ نے مزید پچاس اونٹ دیا۔

یہ دادودہش اور نوازش نبی ﷺ نے خمس مال سے عطا کیا۔[۱]

رافع بن خدیج سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے غنائم میں سے ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، عیینہ بن حصن، اور اقرع بن حابس میں سے ہر ایک کو سو اونٹ عطا کیا، اور عباس بن مرداس کو کچھ کم دیا تو اس نے یہ شعر کہا[۲]:

أتجعل نهبي و نهب العبيد بين عيينة والأقرع
فما كان بدر ولاحابس يفوقان مرداس في المجمع
وماكنت دون امرئ منهما ومن يخفض اليوم، لا يرفع

---

۱ طبقات کبری لابن سعد [۱۵۲/۲] ۲ مسلم [۱۰۶۰/۱۳۷]

تو آپ ﷺ نے اسے بھی سو اونٹ دیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اونٹ کی کوہان سے کچھ بال لیا اور چٹکی میں رکھ کر بلند کرتے ہوئے فرمایا: لا يحل لي من غنائمكم مثل هذا، إلا الخمس، والخمس مردود فيكم'' [۱] تمہارے مال غنیمت میں سے میرے لیے اتنا بھی حلال نہیں سوائے خمس کے، اور خمس بھی تم لوگوں میں واپس کر دیا جاتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام غنیمت کے مال میں سے سوائے خمس کے کچھ نہیں لے گا، اور جو خمس بھی لے گا وہ تنہا اس کا نہیں ہوگا، بلکہ وہ اسے مسلمانوں میں خرچ کرے گا، جس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فان لله خمسه و للرسول ولذي القربىٰ واليتامى والمساكين وابن السبيل﴾ (الانفال:۴۱) میں بیان کیا ہے۔

مؤلفۃ القلوب کے دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مال غنیمت اور فوج کو یکجا کر کے لوگوں میں غنیمت کی تقسیم کا حساب لگائیں۔ انھوں نے ایسا کیا تو ایک فوجی کے حصہ میں چار چار اونٹ اور چالیس چالیس بکریاں آئیں۔ جو شہسوار تھا اسے بارہ اونٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔

یہ تقسیم ایک حکیمانہ سیاست پر مبنی تھی کیوں کہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اپنی عقل کے راستے سے نہیں بلکہ پیٹ کے راستے سے حق پر لائے جاتے ہیں۔ یعنی جس طرح جانوروں کو ایک مٹھی ہری گھاس دکھلا دیجئے، اور وہ اس کی طرف بڑھتے لپکتے اپنے محفوظ ٹھکانے تک جا پہنچتے ہیں۔ اسی طرح مذکورہ قسم کے انسانوں کے لیے بھی مختلف ڈھنگ کے اسباب کشش کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ ایمان سے مانوس ہو کر اس کے لیے پرجوش بن جائیں۔ [۲]

اور جب وقت آیا تو ان مؤلفۃ القلوب نے شجاعت وبہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ دنیا انگشت بدنداں ہوگئی۔ عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں ان کے بلند کارناموں اور جواں مردی کے واقعات کو کون بھول سکتا ہے۔ جنگ یرموک اور شامی فتوحات میں عکرمہ، صفوان، ابوسفیان بن حرب اور ان کے بیٹے یزید کے کارنامے تاریخ میں زریں حروف سے لکھے جاتے ہیں۔ [۳]

غزوہ حنین کی فتح میں انصار کا بہت اہم کردار تھا، انھوں نے نبی اقدس ﷺ کے ساتھ مل کر اس طرح جنگ لڑی تھی کہ ہزیمت وشکست، شاندار فتح ونصرت میں بدل گئی۔ اموال غنیمت میں سے کچھ نہ ملنے کی وجہ سے حزن واضطراب کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں تھے۔ وہ خود محروم اور تہی دست تھے۔ اور دوسرے لوگ مال قنطار سے مستفید۔

---

[۱] ابوداؤد [۲۷۵۵]، نسائی [۴۱۴۳]، ابن ماجہ [۲۸۵۰] یہ روایت صحیح ہے۔

[۲] فقہ السیرۃ [ص۲۹۸] نیز دیکھیں: الرحیق المختوم [ص٦٥٦]

[۳] عصر الخلافۃ الراشدہ از اکرم ضیاء العمری [ص۳۴۲، ومابعد]

ابن اسحاق نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے قریش اور قبائل عرب کو عطیے دیئے اور انصار کو کچھ نہ دیا تو انصار نے جی ہی جی میں پیچ وتاب کھایا، اور ان میں بہت چہ میگوئی ہوئی۔ یہاں تک کہ ایک کہنے والے نے کہا: اللہ کی قسم، رسول اللہ ﷺ اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔ اس کے بعد سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے اس حاصل شدہ مالِ فے میں جو کچھ کیا ہے اس پر انصار پیچ وتاب کھا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسے اپنی قوم میں تقسیم فرمایا۔ قبائل عرب کو بڑے بڑے عطیے دیئے۔ لیکن انصار کو کچھ نہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے سعد! اس بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انھوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں بھی تو اپنی ہی قوم کا ایک آدمی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا تو اپنی قوم کو اس چھولداری میں جمع کرو۔ سعد نے انصار کو اس چھولداری میں جمع کیا۔ کچھ مہاجرین بھی آگئے تو انہیں داخل ہونے دیا۔ پھر کچھ دوسرے لوگ بھی آگئے تو انہیں واپس کر دیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو سعد نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قبیلہ انصار آپ کے لیے جمع ہو گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ اللہ کی حمد وثنا کی۔ پھر فرمایا:

''ما قالة بلغتني عنكم؟'' تمہاری یہ کیا چہ میگوئی ہے جو میرے علم میں آئی ہے۔؟ اور یہ کیا ناراضگی ہے جو جی ہی جی میں تم نے مجھ پر محسوس کی ہے؟

''ألم آتكم ضلالا فهداكم الله، و عالة فأغناكم الله، وأعداء فألف بين قلوبكم'' کیا ایسا نہیں ہے کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے، اللہ نے تمہیں ہدایت دی، اور محتاج تھے اللہ نے تمہیں مالدار بنا دیا، اور باہم دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی۔

لوگوں نے کہا: بلى، الله ورسوله أمنّ و أفضل۔

کیوں نہیں، اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا بڑا فضل وکرم ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: انصار کے لوگو! مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟ انصار نے عرض کیا: یارسول اللہ! بھلا ہم آپ کو کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فضل وکرم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھو! اللہ کی قسم، اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ اور سچ ہی کہو گے، اور تمہاری بات سچ ہی مانی جائے گی۔ کہ آپ ﷺ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ ﷺ کو جھٹلایا گیا تھا، ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ کو بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا تھا ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی۔ آپ ﷺ کو دھتکار دیا گیا تھا، ہم نے آپ ﷺ کو ٹھکانہ دیا۔ آپ ﷺ محتاج تھے، ہم نے آپ ﷺ کی غمگساری کی۔

اے انصار کے لوگو! تم دنیا کی ایک حقیر سی چیز کے لیے ناراض ہو گئے جس کے ذریعہ میں نے لوگوں کا دل جوڑا تھا تا کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اور تم کو اسلام کے حوالے کر دیا تھا؟ اے انصار! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم رسول اللہ ﷺ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ۔

فوالذي نفس محمد بيده لولا الهجرة لكنت امرأ من الأنصار، ولو سلك الناس شعبا وسلك الأنصار شعبا، لسلكت شعب الأنصار، اللهم أرحم الأنصار وأبناء الأنصار، وأبناء أبناء الأنصار۔

اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اگر سارے لوگ ایک راہ چلیں، اور انصار دوسری راہ چلیں تو میں انصار ہی کی راہ چلوں گا۔ اے اللہ! انصار پر رحم فرما، اور انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ خطاب سن کر لوگ اس قدر روئے کہ داڑھیاں تر ہوگئیں، اور کہنے لگے ہم راضی ہیں کہ ہمارے حصے اور نصیب میں رسول اللہ ﷺ ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ واپس ہوئے اور لوگ بھی بکھر گئے۔ [۱]

غنیمت تقسیم ہونے کے بعد ابھی تھوڑا ہی وقفہ گذرا تھا کہ ہوازن کا وفد مسلمان ہو کر آپ ﷺ کی خدمت میں آیا۔ یہ کل چودہ آدمی تھے۔ ان کا سربراہ زہیر بن صُرد تھا، ان میں آپ ﷺ کا رضاعی چچا ابو برقان بھی تھا۔

وفد نے سوال کیا کہ مہربانی کرکے ہمارے اموال اور قیدی واپس کردیں، اور اس انداز میں بات کی کہ دل پسیج جائے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: "معي من ترون، و أحب الحديث إليّ أصدقه، فاختاروا إما السبي وإما المال" میرے ساتھ جو ہیں انہیں تم دیکھ رہے ہو، اور میرے نزدیک سب سے عمدہ بات سچی بات ہے تم یا تو قیدیوں کی واپسی اختیار کرلو یا مال۔

انہوں نے کہا: ہم اپنے قیدیوں کو اختیار کریں گے۔

نبی ﷺ کھڑے ہوئے۔ اللہ کی حمد وثنا بیان کی۔ اس کے بعد فرمایا: تمہارے یہ بھائی (شرک سے) توبہ کرکے آئے ہیں (اور اسی غرض سے) میں نے ان کے قیدیوں کی تقسیم میں تاخیر کی تھی۔ اور اب میں نے انہیں اختیار دیا تو انھوں نے بال بچوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھا۔ لہذا جس کسی کے پاس کوئی قیدی ہو اور وہ بہ خوشی واپس کردے تو یہ بہت اچھی بات ہے۔ اور جو کوئی اپنا حق روکنا ہی چاہتا ہو تو وہ بھی انہیں واپس ہی کردے۔ البتہ آئندہ جو سب سے پہلا مال فے حاصل ہوگا، اس سے ہم اس شخص کو ایک کے بدلے چھ دیں گے۔ لوگوں نے کہا۔ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے لیے بخوشی دینے کو تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہم نہیں جانتے کہ تم میں سے کس نے اجازت دی اور کس نے نہیں دی ہے؟ لہذا تم واپس جاؤ یہاں تک کہ تمہارے سردار معاملہ کی تفصیل لے کر ہمارے پاس آئیں۔ لوگ لوٹ گئے۔ ان کے سرداروں نے ان سے بات کی تو انھوں نے اپنے سرداروں کو بتایا کہ انہوں نے خوشی خوشی اجازت دی ہے۔ [۲]

---

[۱] سیرت ابن ہشام [۱۱۷۵-۱۱۷۴/۱۷]، اسے امام احمد نے مسند [۸۹،۷۶/۳] میں صحیح سند سے روایت کیا ہے۔ صحیح السیرۃ النبویۃ (۵۷۵) ایسی ہی ایک روایت بخاری [۴۳۳۷] میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

[۲] بخاری [۴۳۱۹،۴۳۱۸،۲۱۸۴]، ابوداؤد [۲۶۹۳]

۴- جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ غزوہ حنین میں مال غنیمت کی تقسیم ایک حکیمانہ سیاست پر مبنی تھی۔ جو بعض لوگوں کی فہم و دانش سے بالاتر تھی۔ یا یہ کہ سیاست پہلے پہل سمجھی نہ جاسکی اس لیے کچھ زبانوں پر حرف اعتراض آ گیا۔ ایک شخص آیا، جس کی آنکھیں دھنسی ہوئی، رخسار ابھرے ہوئے، اور پیشانی بلند، داڑھی گھنی اور سر منڈا ہوا تھا، اور کہنے لگا: اے محمد! اللہ سے ڈرو۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''من يطع الله إذا عصيت، أيا منني الله على أهل الأرض ولا تأمنوني۔'' جب میں ہی اس کی نافرمانی کرنے لگوں گا تو کون اس کی فرماں برداری کرے گا۔ اللہ تو زمین میں مجھے امانت دار سمجھتا ہے، اور تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے؟

صحابہ کرام میں سے ایک شخص نے اس کے قتل کی اجازت چاہی۔ میرا خیال ہے کہ وہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ ﷺ نے منع فرمایا۔ اور جب وہ آدمی لوٹ گیا تو آپ نے فرمایا: ''إن من ضئضئني هذا – أو في عقب هذا – قوم يقرأون القرآن لا يجاوز حناجرهم، يمرقون من الدين مروق السهم من الرمية، يقتلون أهل الإسلام و يدعون أهل الأوثان، لئن أنا أدركتهم لأقتلنهم قتل عاد'' [۱]

اس کی نسل سے کچھ ایسے لوگ ہوں گے، جو قرآن پڑھیں گے، وہ ان کے گلوں سے نہیں اترے گا۔ وہ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کے جسم سے نکل جاتا ہے، وہ اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پوجنے والوں کو چھوڑ دیں گے۔ اگر میں نے انہیں پالیا تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تھے، اور آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ اتنے میں بنوتمیم کا ایک آدمی جس کا نام ذوالخویصرہ تھا، آیا۔ اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! انصاف کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ويلك، فمن يعدل إذا لم أعدل؟'' تمہارے لیے بربادی ہو، اگر میں انصاف نہ کروں تو پھر کون انصاف کرے گا؟ ''قد خبت وخسرت إن لم أكن أعدل''؟ میں تو ہلاک و برباد ہو گیا اگر میں انصاف نہ کروں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اس کی گردن مارنے کی مجھے اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے انھیں منع کر دیا اور گردن اڑانے کی اجازت نہ دی۔ [۲]

جابر بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کو اس منافق کے قتل کرنے سے منع کیا اور فرمایا: معاذالله، أن يتحدث الناس أني أقتل أصحابي'' [۳]

اللہ کی پناہ، کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ میں (محمد ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر رہا ہوں۔

---

[۱] بخاری [۳۳۴۴]، مسلم [۱۰۶۴/۱۴۳] بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ۔

[۲] بخاری [۶۱۶۳]، مسلم [۱۰۶۴/۱۴۸] [۳] مسلم [۱۰۶۳/۱۴۲]

جب مال تقسیم ہورہا تھا تو مال کی طلب میں بدو آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے۔ اور آپ ﷺ کو ایک درخت کی جانب سمٹنے پر مجبور کردیا۔ اتفاق سے آپ ﷺ کی چادر درخت میں پھنس کر رہ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: " أعطوني ردائي، فلو كان لي عدد هذه العضاة نعما لقسمته بينكم، ثم لا تجدوني بخيلا ولا كذوبا ولا جبانا "۔ [1]

میری چادر دے دو، اس ذات کی قسم۔ اگر میرے پاس (تہامہ کے) ان درختوں کی تعداد میں چوپائے ہوں تو انھیں بھی تم پر تقسیم کردوں گا۔ پھر تم مجھے نہ بخیل پاؤ گے، نہ بزدل، نہ جھوٹا۔

ایک دوسرے بدو کا قصہ بیان کرتے ہوئے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

میں نبی ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا کہ ایک بدو نے آپ ﷺ کی چادر کو اتنی زور سے کھینچا کہ آپ ﷺ کی گردن میں نشان پڑ گیا۔ پھر اس بدو نے آپ ﷺ سے کہا: يا محمد، مرلي من مال الله الذي عندك "اے محمد! اللہ کے اس مال میں سے جو آپ کے پاس ہے، مجھے بھی عطا کرنے کا حکم صادر کیجئے۔ اعرابی کی اس بات اور حرکت پر نبی ﷺ مسکرائے اور اسے کچھ نہ کچھ دینے کا حکم دیا۔ [2]

۵- سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس ایک دھاری دار چادر، جس میں جھالر بنی ہوئی تھی، لے کر آئی۔ اس عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میں نے اس چادر کو اپنے ہاتھوں سے بنا ہے۔ آپ کے استعمال کے لیے لے آئی ہوں۔ آپ ﷺ کو اس کی ضرورت تھی آپ نے اس کی چادر قبول کرلی۔ آپ ﷺ اسے پہن کر صحابہ کرام- رضی اللہ عنہم- کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کسی ایک صحابی کو بہت اچھی لگ گئی۔ وہ اپنے نفس پر صبر نہ کرسکے اور کہا: اے نبی ﷺ! کتنی عمدہ چادر ہے، اسے مجھے دے دیجئے۔ اس کی اس خواہش اور طلب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا: ما أحسنت تم نے مانگ کر اچھا نہیں کیا اور تم خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ آپ ﷺ کسی کو واپس نہیں کرتے۔ اس صحابی نے عرض کیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی میں نے پہننے کے لیے مانگا ہے۔ صرف اس لیے مانگا ہے کہ اسے اپنی کفن بناؤں گا۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اس کی وفات کے دن میں نے دیکھا کہ وہی (چادر) اس کی کفن تھی [3]

اس حدیث کے فوائد ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

في هذا الحديث من الفوائد حسن خلق النبي ﷺ و سعة جوده و قبوله الهدية۔ [4] اس حدیث کے فوائد میں سے آپ ﷺ کا حسن اخلاق، آپ ﷺ کی سخاوت اور دریادلی، اور آپ ﷺ کا ہدیہ قبول کرنا ہے۔

☆☆☆

[1] بخاری [۲۸۲۱] بروایت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ، نیز دیکھیں: فتح الباری [۶/۲۹۳ حدیث: ۳۱۴۸]

[2] مسلم [۱۲۸/۱۰۵۷] [3] بخاری [۱۲۷۷] [4] فتح الباری [۳/۱۷۲، طبع دار الریان]

نماز جمعہ کے احکام ومسائل

کتاب وسنت کی روشنی میں

(۱)

عبدالولی عبدالقوی
مکتب دعوۃ توعیۃ الجالیات، ریاض

جمعہ کے دن کی فضیلت:

جمعہ ہفتہ کی عید کا دن ہے، احادیث میں اس دن کی بڑی فضیلت وارد ہے۔

جمعہ کو جمعہ اس لیے کہتے ہیں کہ روز ازل میں تمام مخلوقات کی تخلیق کے بعد ان کا اجتماع ہوگیا تھا، یا نماز کے لیے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے، اس بنا پر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر ۵/ ۳۱۸)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''خير يوم طلعت عليه الشمس يوم الجمعة، فيه خلق آدم و فيه أدخل الجنة و فيه أخرج منها ولا تقوم الساعة الا فى يوم الجمعة''۔

بہترین دن جس پر سورج طلوع ہو کر چمکے جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن جنت میں داخل کئے گئے، اسی دن جنت سے (زمین پر) اتارے گئے اور قیامت بھی اسی دن قائم ہوگی۔ مسلم/ الجمعہ: ۸۵۴

ابولبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان يوم الجمعة سيد الأيام وأعظمها عندالله وهو أعظم عندالله من يوم الأضحى و يوم الفطر''۔

جمعہ کا دن دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے یہاں سب دنوں حتی کہ عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر سے بھی باعظمت ہے۔ (ابن ماجہ/ اقامۃ الصلوات ۱۰۸۴، المعجم الکبیر ۵/ ۳۳، تحقیق الالبانی (حسن) دیکھئے: صحیح ابن ماجہ ۱/ ۱۷۸، ح: ۸۸۸، مشکاۃ المصابیح ۱/ ۳۰۵)

۱-نماز جمعہ کا حکم:

نماز جمعہ فرض عین ہے، اس کی فرضیت قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يا ايهاالذين آمنوا إذا نودى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكر الله و ذرواالبيع ذلكم خيركم إن كنتم تعلمون﴾ [الجمعة: ۹]

اے وہ لوگوں جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید وفروخت چھوڑ دو یہ تمہارے حق میں بہت ہی بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

مذکورہ آیت کریمہ میں نماز کے لیے دوڑ کر آنے کا حکم دیا گیا ہے، اگر چہ اس سے دوڑ کر آنا مراد نہیں ہے، اس لیے کہ

نماز کے لیے دوڑ کر آنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ مراد اذان کے بعد فورا مسجد میں آنا اور کاروبار بند کرنا ہے، تاکہ لوگ خرید وفروخت میں لگ کر جمعہ سے مشغول نہ ہوجائیں، چنانچہ اگر نماز جمعہ واجب نہ ہوتی تو اس کے لیے خرید وفروخت سے نہ روکا جاتا۔(المغنی ۳/ ۱۵۸،الشرح الکبیر ۵/ ۱۵۷)

حفصہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''رواح الجمعة واجب علی کل محتلم''جمعہ کے لیے جانا ہر بالغ پرواجب ہے۔(نسائی/ الجمعہ ۱۳۷۲،تحقیق الالبانی (صحیح) دیکھئے: صحیح النسائی حدیث نمبر: ۱۳۷۱۔

عبداللہ بن عمر اور ابوہریرۃ رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' لينتهين أقوام عن ودعهم الجمعات أو ليختمن الله علی قلوبهم ثم ليكونن من الغافلين''۔

لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر لگادے گا، پھر وہ غافل ہوجائیں گے۔(مسلم/ الجمعہ ۸۶۵)

ابوالجعد الضمری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''من ترك ثلاث جمع تهاونا بها طبع الله علی قلبه'' جوشخص سستی کی وجہ سے تین جمعہ چھوڑ دے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔(ابوداؤد/ الصلاۃ: ۱۰۵۲،ترمذی: ۵۰۰،تحقیق الالبانی (صحیح) دیکھئے: صحیح ابوداؤد ا/ ۱۶۹،ح: ۹۲۸،مشکاۃ ا/ ۳۰۷،ح: ۱۳۷۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کے گھروں کو جلانے کا قصد فرمایا جو (بلاعذر) جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔(مسلم/ المساجد: ۶۵۲)

علامہ ابن المنذ ر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم کا اجماع ہے کہ آزاد، بالغ، مقیم افراد پر جمعہ واجب ہے جن کے پاس کوئی عذر نہ ہو۔(الاجماع لابن المنذر ،ص: ۴۴)

۲-جمعہ کن پر واجب ہے:

نماز جمعہ ہر اس شخص پر واجب ہے جس کے اندر مندرجہ ذیل شرطیں پائی جائیں:

۱-اسلام:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿و قدمنا إلی ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا﴾ [الفرقان: ۲۳] انہوں (کافروں) نے جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کردیا۔(یعنی کافروں کے عمل شرط ایمان سے عاری ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن ذروں کی طرح بے حیثیت ہوں گے)۔نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وما منعهم أن تقبل منهم نفقاتهم الا أنهم كفروا بالله و رسوله﴾ [التوبة: ٥٤] ان کے خرچ کے قبول نہ ہونے کا سبب اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں۔

چنانچہ جب ان کے خرچ کئے ہوئے مال غیر قابل قبول ہیں جب کہ ان کی نفع رسانی دوسروں تک متعدد ہے تو ان کی عبادتیں بدرجہ اولی غیر قابل قبول ہوں گی کیوں کہ ان کی نفع رسانی انھیں تک محدود ہے۔(الشرح الممتع ۵/ ۱۰)

۲-بلوغت:

جمعہ کی فرضیت کے لیے بلوغت شرط ہے، چنانچہ کسی نابالغ لڑکے پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

۳-عقل:

عقل سے محروم، دیوانہ شخص پر جمعہ فرض نہیں ہے۔

علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رفع القلم عن ثلاثة عن النائم حتی يستيقظ و عن الصبی حتی يحتلم و عن المجنون حتی يعقل''۔ابوداوٗد/ الحدود: ۴۴۰۴، نسائی: ۱۴۲۳، تحقیق الالبانی (صحیح) دیکھئے: صحیح ابوداوٗد: ۳/۵۶)

تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے، سوئے ہوئے شخص سے یہاں تک کہ بیدار ہوجائے، بچے سے یہاں تک کہ بالغ ہوجائے، دیوانہ سے یہاں تک کہ اس کی عقل واپس لوٹ جائے۔

۴-مرد لوگوں پر:

عورت پر جمعہ فرض نہیں ہے، لیکن اگر عورت امام کے ساتھ مسجد میں نماز جمعہ ادا کرے، تو اس کی نماز جمعہ صحیح ہوگی اور نماز ظہر سے کفایت کرے گی اور اگر گھر میں نماز پڑھے تو نماز ظہر چار رکعت پڑھے جسے وہ نماز ظہر کا وقت شروع ہونے یعنی زوال آفتاب کے بعد ادا کرے، گھر میں نماز جمعہ نہ پڑھے۔ (فتاوی اللجنۃ الدائمہ ۸/۲۱۲)

علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اہل علم کا اجماع ہے کہ عورتوں پر جمعہ نہیں ہے، اگر وہ جمعہ میں حاضر ہوں اور امام کے ساتھ پڑھ لیں، تو یہ جمعہ ان کی جانب سے کفایت کرے گا۔ (الاجماع)

۵-آزادی:

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے یں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الجمعة حق واجب علی كل مسلم فی جماعة إلا علی أربعة عبد مملوك أو امرأة أو صبی أو مريض''۔

جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ واجب ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے (کہ وہ جمعہ کی فرضیت سے مستثنی ہیں) غلام، عورت، نابالغ لڑکا اور بیمار۔ (ابوداوٗد/ الصلاۃ: ۱۰۶۷، دارقطنی ۲/ ۳۰۵ تحقیق الالبانی (صحیح) دیکھئے: صحیح ابوداوٗد/ ۱۹۹، ح: ۹۴۲۔

۶-اقامت:

مسافر پر جمعہ نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں حج، عمرہ اور غزوات کے لیے متعدد سفر کیے، لیکن کبھی بھی آپ نے سفر میں جمعہ نہ پڑھی، جب کہ آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک بڑی جماعت ہوتی تھی، آپ نے ہمیشہ ظہر دو رکعت قصر کے ساتھ پڑھی۔

جس سال آپ ﷺ نے حج کیا اس سال عرفہ کا دن جمعہ کا دن تھا، آپ نے اس دن جمعہ نہیں بلکہ نماز ظہر دو رکعت پڑھی۔

جابر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عرفہ کے دن جب بطن وادی میں پہنچے تو آپ وہاں پر اترے، لوگوں کو خطبہ دیا، خطبہ کے بعد بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی، اقامت کہی آپ ﷺ نے نماز ظہر (دو رکعت) پڑھائی، پھر بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت کہی آپ ﷺ نے نماز عصر پڑھائی۔(مسلم، الحج باب حجۃ النبی ﷺ، ۱۲۱۸)

لیکن اگر مسافر کسی ایسی جگہ پر ٹھہرا ہوا ہو جہاں پر جمعہ قائم ہوتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ نماز جمعہ پڑھ لے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان عام ہے:﴿ يا ايهاالذين آمنوا إذا نودی للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا إلى ذكرالله و ذروالبيع﴾ [الجمعة: ۹]

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب جمعہ کے دن نماز کی اذان دی جائے، تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ پڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔

نیز کوئی ایسی دلیل نہیں ہے کہ وہ صحابہ کرام جو رسول اللہ ﷺ کے پاس باہر سے آتے تھے اور جمعہ تک ٹھہرتے تھے وہ نماز جمعہ نہیں پڑھتے تھے بلکہ سنت کا ظاہر یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز جمعہ پڑھتے تھے۔(الشرح الممتع ۱۵/۵)

وہ اسباب جن کی وجہ سے جمعہ کا چھوڑنا جائز ہے:

ذیل میں ہم بعض ان اسباب کا ذکر کرتے ہیں جن کی بنا پر بندہ مسلم کے لیے جمعہ کا چھوڑنا جائز ہے:

بیماری: بیماری سے مراد ایسی شدت کی بیماری ہے کہ اس حالت میں بندہ مسلم کے لیے مسجد جانا مشکل ہو جائے، نہ کہ سر درد، ہلکا بخار یا اس طرح کی ہلکی بیماریاں مراد ہیں۔جیسا کہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار ہوئے تو لوگوں کی امامت ترک کر دی اور فرمایا:”مرو أبا بكر فليصل بالناس“ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔اور جب آپ ﷺ کی بیماری کچھ ہلکی ہوئی تو دو آدمیوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔(بخاری/الأذان ۶۶۴، مسلم/الصلاۃ ۴۱۸)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:”من سمع النداء فلم ياته فلا صلاة له إلا من عذر“(ابن ماجۃ/المساجد ۷۹۳، دارقطنی ۴۲۰/۱، تحقیق الالبانی (صحیح) دیکھئے: صحیح ابن ماجۃ ۱۳۲/۱ ح: ۶۴۵) جو شخص اذان کی آواز سنے اور نماز کے لیے (مسجد میں) نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہے اِلا یہ کہ کوئی عذر ہو۔

علامہ ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل علم کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ بیمار کے لیے بوجہ بیماری ترک جماعت جائز ہے۔(المغنی ۳۷۶/۲)

بارش اور کیچڑ: جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک بارش والے دن میں مؤذن سے کہا: جب تم”أشهد أن محمدا رسول الله“کہہ چکو، تو”حی على الصلاة“نہ کہو، بلکہ”صلوا فی بيوتكم“

(اپنے اپنے گھروں میں نماز ادا کرلو) پکارو۔لوگوں نے اس پر اظہار تعجب کیا،تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: ایسا اس ذات گرامی نے کیا جو مجھ سے (بدرجہا) بہتر تھی، نماز جمعہ گرچہ فرض ہے لیکن یہ مجھے اچھا نہیں لگتا کہ تمہیں کیچڑ اور پھسلن میں نکلنے پر مجبور کردوں۔(بخاری/ الجمعہ۹۰۱،مسلم/ صلاۃ المسافرین۶۹۹)

ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علماء کا اتفاق ہے کہ سخت بارش، تاریکی، آندھی اوران جیسی دیگر چیزوں کی وجہ سے جماعت کا چھوڑنا جائز ہے۔(طرح التثریب ۳/۵۳)

☆ اگر عورت مسجد میں حاضر ہو اور باجماعت نماز جمعہ پڑھ لے،اسی طرح مسافر اور مریض نماز جمعہ امام کے ساتھ پڑھ لیں،تو یہ ان کا فریضہ ادا ہوجائے گا،انھیں نماز ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔(الملخص الفقهي،ص:۲۵۸)

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اگر عورت، مسافر اور غلام نماز جمعہ پڑھ لیں،تو یہ ان کی جانب سے کفایت کرے گا انھیں ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی، کیوں کہ اسلام نے انھیں بطور آسانی کے جمعہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے، چنانچہ اگر وہ پریشانی اٹھاکر جمعہ پڑھ لیں،تو یہ ان کی جانب سے کفایت کرے گا، انھیں دوبارہ ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوگی اور اگر امام کے ساتھ جمعہ نہ پڑھیں تو وہ اپنے گھر میں نماز ظہر ادا کریں۔(المغنی ۳/ ۲۱۹-۲۲۲)

۳-نماز جمعہ کا وقت:

نماز جمعہ فرض ہے،لہذا اس کے لیے بھی باقی فرائض کی طرح وقت متعین ہے، چنانچہ اس وقت سے پہلے یا بعد نماز جمعہ درست نہیں ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿إن الصلاة كانت على المؤمنين كتابا موقوتا﴾ [النساء:۱۰۳] یقیناً نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے۔

نماز جمعہ کا افضل ترین وقت زوال آفتاب کے بعد ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ بیشتر نماز جمعہ اسی وقت ادا فرماتے تھے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج زائل ہوجاتا تھا۔(بخاری/ الجمعہ۹۰۴)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دائمی طریقہ تھا کہ آپ نماز جمعہ زوال آفتاب کے بعد پڑھتے تھے۔(فتح الباری ۲/ ۴۵۱)

(جاری)

☆☆☆

اوقات صلوۃ احادیث صحیحہ کی روشنی میں

ابوالمعتصم مبارک پوری

نماز افضل عبادت ہے اور اس عبادت کے اوقات مقرر ہیں، ان اوقات کو جاننا اور نمازیں ان کے مقررہ اوقات میں ادا کرنا ضروری ہے۔

صلاۃ مفروضہ میں اول وقت، دخول وقت کے کتنی دیر بعد تک رہتا ہے؟

احادیث صحیحہ میں نماز کو اول وقت میں پڑھنے کی بڑی ترغیب اور فضیلت آئی ہے۔ بخاری (۵۲۷) مسلم (۶۴۸) ابوداود (۴۲۵) ترمذی (۱۷۰) لیکن دخول وقت کے بعد اول وقت کب تک رہتا ہے، اس سلسلہ میں روایات میرے علم کے مطابق کسی تحدید سے خاموش ہیں۔ اس سلسلہ کی ایک روایت سنن ترمذی (۱۷۲) میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ملی ہے، جس میں نماز کے اول تا آخر وقت کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کا ذکر ہے، مگر یہ روایت موضوع ہے، امام ترمذی نے اسے ''غریب'' اور امام البانی رحمہما اللہ نے اسے ''موضوع'' (من گھڑت) قرار دیا ہے۔ دیکھیں ضعیف الجامع (۲۱۳۰، ۲۱۳۱) مشکاۃ (۶۰۶) ارواء الغلیل (۲۵۹) ضعیف الترغیب (۱/۱۴۸) اور کسی مسئلہ کے اثبات کے لیے موضوع روایت کو پیش کرنا درست نہیں ہے، مسئلہ تو صرف صحیح حدیث سے ہی ثابت ہوگا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اختلاف الحدیث (۳۱۹۰، مطبوع مع الأم) میں تحریر فرماتے ہیں: "لا يقبل إلا حديث ثابت" مسئلہ کے اثبات کے لیے صرف ثابت شدہ احادیث ہی قابل قبول ہوں گی۔

اول وقت کی تحدید کرنا نمازوں کے اوقات کے حساب سے مختلف ہے۔ کیونکہ نماز کے اوقات میں وقت کے اعتبار سے کمی وزیادتی ہے۔ مثلاً ظہر کی نماز کا وقت زوال شمس سے لیکر سایہ مثل تک رہتا ہے اور عصر کی نماز کا وقت ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہوجانے سے لیکر اصفرار شمس تک ہے۔ مغرب کا وقت غروب شمس سے لیکر شفق احمر تک ہے، عشاء کی نماز کا وقت شفق احمر سے لیکر نصف لیل تک ہے، اور فجر کا وقت سپیدۂ صبح ظاہر ہونے سے لیکر طلوع شمس تک ہے۔ چونکہ یہ مذکورہ اوقات ایک دوسرے کے مقابل میں کم وبیش ہیں، اس لیے اول وقت کی تحدید میں کمی وبیشی کا لحاظ رکھا جائے گا۔ نبی ﷺ کا یہ معمول تھا کہ موسم گرما میں ظہر کی نماز ابراد کرکے پڑھتے تھے۔ بخاری (۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۰۱) مسلم (۶۱۵) اس لیے ظہر کی نماز کے لیے اول وقت کی تحدید لگ بھگ ۴۰/۴۵ منٹ عمل نبوی سے معلوم ہوتی ہے، اس کے بعد اول وقت ختم ہوجاتا ہے۔ صحیح بخاری (۵۶۰) مسلم (۶۴۶) ابوداود (۳۹۷) نسائی (۵۲۸) احمد (۲/۲۱۰، ۲۲۳) وغیرہ میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: كان النبي ﷺ يصلي الظهر بالهاجرة نبی ﷺ ظہر کی نماز ہاجرہ وقت میں پڑھتے تھے۔ ''ہاجرہ'' سورج ڈھل جانے کے بعد کے وقت کو کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری (۲/۵۰) میں لکھتے ہیں: "أطلق الهاجرة على الوقت بعد الزوال مطلقا" زوال شمس کے بعد مطلق وقت کو ''ہاجرہ'' کہا جاتا ہے، جیسا کہ دارمی (۱۱۸۴) کی روایت سے معلوم

ہوتا ہے۔ نیز دیکھیں: فتح الباری (۳۳/۲) الصحاح للجوھری (۱۰۸۷-۱۰۸۸) المعجم الوسیط (۹۷۳/۲)

لہذا حدیث جابر مذکور، اور حدیث ابراد کی روشنی میں عمل نبوی ﷺ سے یہ استئناس کیا جا سکتا ہے کہ نماز ظہر میں اول وقت کی تحدید اول وقت کے بعد سے لیکر لگ بھگ ۴۰/۴۵ منٹ تک رہتی ہے۔ تقریبا یہی وقت نماز عصر، اور عشاء کا ہے۔ مغرب میں یہ وقت کم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا دیگر نمازوں کے بالمقابل کم ہے، اور فجر میں یہ وقت مغرب کے بالمقابل کچھ اور زیادہ ہوتا ہے۔ بخاری (۵۴۱) میں ہے: كان النبي ﷺ يصلي الصبح وأحدنا يعرف جليسه، ويقرأ فيها ما بين الستين إلى المائة. آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھتے اور حال یہ ہوتا کہ ہم میں سے ایک اپنے ساتھی کو پہچان لیتا۔ بخاری (۵۴۷، ۵۹۹، ۷۷۱) کی دوسری روایت میں ہے: اس وقت پہچان لیتا جب آپ نماز صبح سے فارغ ہو کر لوٹتے۔ آپ ﷺ ساٹھ سے لیکر سو (آیات) تک پڑھتے۔

ابودود کے الفاظ یہ ہیں: كان يصلي الصبح وما يعرف أحدنا جليسه الذي كان يعرفه وكان يقرأ فيها من الستين إلى المائة. سنن ابوداود (۳۹۸) آپ ﷺ صبح کی نماز پڑھتے اور حال یہ ہوتا کہ ہم میں سے ایک اپنے ساتھی کو جسے وہ اچھی طرح جانتا ہوتا، تاریکی کی وجہ سے پہچان نہیں پاتا، اس میں آپ ﷺ ساٹھ سے لیکر سو آیات تک پڑھتے، نیز دیکھیں: نسائی (۴۹۶، ۵۲۶، ۵۳۱) مسلم (۶۴۵، ۶۴۷) ترمذی (۱۴۷) ابن ماجہ (۸۱۸) دارمی (۱۳۰۰) مسند احمد (۴/ ۴۲۰، ۴۲۳) صفۃ صلاۃ النبی للالبانی (۲/۱۷۱-۱۷۳- اردو) اور آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ غلس میں نماز پڑھتے تھے۔

ان احادیث کی روشنی میں یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ نماز مفروضہ میں اول وقت کی تحدید اوقات کی کمی بیشی کے اعتبار سے ہے۔ جب کسی نماز کا اول تا اخیر وقت زیادہ ہوگا تو اول وقت کی تحدید بھی زیادہ ہوگی۔ اور کم ہوگا تو اول وقت کی تحدید بھی کم ہوگی۔ لیکن اتنا ضرور ہوگا کہ جس میں آدمی اذان ہونے کے بعد اچھی طرح وضو کرے، سنن ونوافل پڑھے اور امام کے ساتھ نماز با جماعت ادا کرے۔

اذان واقامت کے درمیان وقفہ:

اذان واقامت کے درمیان فاصلے کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں یہ بات قائم کیا ہے: باب كم بين الأذان والإقامة یعنی اذان واقامت کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہئے۔ اس باب کے تحت جو حدیث ذکر کی ہے، وہ درج ذیل ہے: عن عبد الله بن مغفل المزني أن رسول الله ﷺ قال: بين كل أذانين صلاة – ثلاثا – (بخاری: ۶۲۴) یعنی اذان واقامت کے درمیان نماز ہے۔ آپ ﷺ نے اسے تین بار فرمایا۔ اور تیسری بار میں فرمایا: لمن شاء جو پڑھنا چاہے۔ یہ روایت ترمذی (۱۸۵) اور نسائی (۶۸۲) میں بھی ہے۔ یہاں نماز سے مراد سنن رواتب اور نوافل ہیں، جو اذان واقامت کے درمیان پڑھی جاتی ہیں۔ فتح الباری (۱۲۷/۲) میں ہے: اس سے مراد فرض کے علاوہ

نوافل مراد ہیں۔امام سیوطی رحمہ اللہ نے زھر الربی حاشیہ نسائی (۲/۱۲۷) میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے: يريد بها السنن الرواتب التي تصلى بين الأذان والإقامة. ظاہر ہے کہ سنن رواتب کی تعداد نمازوں کے اعتبار سے مختلف ہے۔کسی نماز میں چارتو کسی نماز میں دو ہی رکعت ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اذان واقامت کے درمیان وقفہ نمازوں کے اعتبار سے ہے۔مثلاً نماز مغرب میں یہ وقفہ کم ہوگا تو نماز ظہر میں یہ وقفہ مغرب کے بالمقابل زیادہ ہوگا۔بخاری (۶۲۵،۵۰۳) میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نماز مغرب سے قبل دو رکعت ادا کرتے تھے۔ كان المؤذن إذا أذن قام ناس من أصحاب النبي ﷺ يبتدرون السواري حتى يخرج النبي ﷺ، وهم كذلك يصلون الركعتين قبل المغرب ولم يكن بين الأذان والإقامة شيء اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤذن جب اذان دیتا تو اصحاب رسول ﷺ میں سے چند افراد کھڑے ہوتے اور کھمبوں کی طرف بڑھتے اور دو رکعت نماز مغرب سے پہلے ادا کرتے،اور اذان واقامت کے درمیان بہت زیادہ وقت نہیں ہوتا تھا۔بخاری کی دوسری روایت میں ہے: لم يكن بينهما إلا قليل یعنی یہ وقفہ بہت مختصر ہوتا تھا (اتنا مختصر بھی نہیں کہ دو رکعت نماز ادا نہ کی جاسکے) ترمذی (۳۰۲) کی حسن روایت میں ہے: كان مؤذن رسول الله ﷺ يمهل فلا يقيم رسول اللہ ﷺ کے مؤذن (اذان کے بعد) ٹھہرتے،فوراً اقامت نہیں کہتے تھے۔

مزید برآں اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہئے کہ کوئی دعا کرنے والا دعا کرلے،کیونکہ اذان واقامت کے درمیان جو دعا کی جاتی ہے وہ قبول ہوتی ہے،رد نہیں کی جاتی،جیسا کہ حدیث میں ہے: الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة اذان واقامت کے درمیان دعا رد نہیں کی جاتی ہے۔(ترمذی (۲۱۲) ابوداود (۱۵۲۱) احمد (۳/۱۱۹، ۱۵۵،۲۲۵) بیہقی (۱/۴۱۰) ابن خزیمہ (۴۲۵) یہ حدیث صحیح ہے،الارواء:۲۴۴۔

یہ حدیث اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اذان واقامت کے درمیان اتنا وقفہ ہونا چاہئے کہ سنن کی ادائیگی احسن طریقے سے ہوجائے اور دعا کے لیے بھی کچھ وقت میسر ہوجائے۔یہاں یہ بیان کردینا مناسب ہوگا کہ اذان کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ لوگ نماز کے لیے حاضر ہوں۔حاضر ہونے والوں کی کئی کیفیت ہوسکتی ہے،کچھ لوگ اذان کے بعد وضو کرتے ہیں تو کچھ لوگ باوضو ہوتے ہیں اور کچھ لوگ بول وبراز کی حاجت پوری کرتے ہیں۔اس لیے اتنا وقفہ ہونا چاہئے جس میں آدمی ان ضروریات سے فارغ ہو۔امام ابن قدامہ رحمہ اللہ مغنی (۲/۶۶) میں لکھتے ہیں: ويستحب أن يفصل بين الأذان والإقامة بقدر الوضوء وصلاة ركعتين، يتهيأون فيها. یعنی اذان واقامت کے درمیان وقفہ کرنا مستحب ہے بایں قدر جس میں وضو اور دو رکعت نماز ادا کی جاسکے،اور تیاری ہوسکے۔نماز کھڑی کرنے کے سلسلہ میں نبی ﷺ کا طریقہ یہ تھا: إذا رآهم اجتمعوا عجّل وإذا رآهم ابطأوا أخّر. جب آپ ﷺ دیکھتے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز کی ادائیگی کے لیے آچکے ہیں تو آپ ﷺ جلدی کرتے،اور جب دیکھتے کہ تاخیر سے آرہے ہیں تو آپ ﷺ بھی تاخیر سے نماز کھڑی کرتے۔(بخاری ۵۶۰،۵۶۵) اس لیے اذان واقامت کے درمیان وقفہ کے بارے میں تحدید نہیں

ہوسکتی۔ امام ابن بطال شارح بخاری لکھتے ہیں: فلا حد في ذلك أكثر من اجتماع الناس وتمكن دخول الوقت. شرح ابن بطال علی البخاری (۲/۲۵۲)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لا حد لذلك غير تمكن دخول الوقت واجتماع المصلين. فتح الباری (۲/۱۲۶،نقلاعن ابن بطال) اذان واقامت کے درمیان وقفہ کے بارے میں کوئی متعین تحدید نہیں ہے سوائے اس کے کہ وقت داخل ہوجائے اور مصلیان حاضر ہوں۔

شریعت اسلامیہ میں اذان واقامت کے درمیان وقفہ کی تحدید نہ کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چیز مصلیان مسجد پر موقوف ہے، وہ اپنی صوابدید پر متعین کریں، جو وہاں کے نمازیوں کے موافق ہو اور قرب وجوار سے آنے والوں کا پاس ولحاظ ہو، یہ وقفہ نہ بہت کم ہو اور نہ ہی بہت زیادہ، بلکہ معتدل ہو، اور فجر کا وقت عام نمازوں کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہو، تاکہ بیدار ہونے کے بعد نماز کی تیاری میں دشواری نہ ہو۔ ابن مفلح رحمہ اللہ المقنع کی شرح ''المبدع'' میں لکھتے ہیں: ما لم يثبت في الشرع علم أنه رد ذلك إلى العرف لأنه طريق إلى المعرفة (۱/۱۲۶، طبع المکتب الاسلامی بیروت) جن مسائل میں شریعت کی طرف کچھ ثابت نہیں ہے اسے عرف کی طرف لوٹایا جائے کیونکہ یہ معرفت کا ایک ذریعہ ہے۔

رہی وہ روایت جس میں اذان واقامت کے درمیان وقفہ کی تحدید آئی ہے، وہ ضعیف ہے۔ ترمذی (۱۹۵) بیہقی (۱/۴۲۸) حاکم (۱/۲۰۴) میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: واجعل بين أذانك وإقامتك قدر ما يفرغ الآكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته یہ روایت ضعیف ہے، اس موضوع کی دیگر روایات بھی ہیں جن کے بارے میں حافظ ابن حجر نے فتح الباری (۲/۱۲۶) میں كلها واهية کہا ہے کہ یہ سب روایتیں واہی (حد درجہ کمزور ہیں) إلا أنه يقوي المعنى الذي شرع له الأذان، فإنه نداء لغير الحاضرين ليحضروا الصلاة، فلابد من تقدير وقت يتسع للذاهب للصلاة وحضورها، وإلا لضاعت فائدة النداء. (جائزۃ الاحوذی ۱/۲۰۰) لیکن یہ روایت اس معنی کی تائید کرتی ہے جس وجہ سے اذان مشروع ہوئی ہے۔ اذان دراصل ان لوگوں کے لیے مسجد میں حاضر ہونے کی نداء ہے، جو لوگ حاضر نہیں ہیں، اس لیے اتنا وقفہ ضروری ہے جو نماز میں حاضر ہونے والے کے لیے کافی ہو، ورنہ اذان کا مقصد فوت ہوجائے گا۔

مغنی (۲/۶۷) میں ہے: ولأن الأذان شرع للإعلام، فيسن الانتظار ليدرك الناس الصلاة، ويتهيأون لها اذان (لوگوں کو) اطلاع دینے کے لیے مشروع ہوئی ہے تاکہ لوگ نماز کو پالیں، اور نماز کے لیے تیاری کرلیں۔

اس لیے اذان واقامت کے درمیان کم ازکم اتنا وقفہ ہونا چاہئے کہ نماز کے لیے آنے والے افراد اچھی طرح وضو کرلیں اور سنت پڑھ لیں (اگر گھر میں نہیں پڑھی ہے تو) اور دور سے آنے والا بھی جماعت پاجائے۔

☆☆☆

قطع رحمی ایک جرم عظیم اوراس کے بھیانک نقصانات

مولانا علی حسین سلفی/ استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

قطع رحمی کا مفہوم:

قطع رحمی صلہ رحمی کی ضد ہے، جس طرح صلہ رحمی جملہ محاسن اخلاق کا نام ہے، اسی طرح قطع رحمی مساوی اخلاق کا مجموعہ ہے، جیسے قرابت دار کی عدم ادائیگی، ان کے ساتھ بدسلوکی، ان سے بے رخی و بے تعلقی، سخت گوئی و بدکلامی سے پیش آنا اوران سے سلام وکلام نہ کرنا وغیرہ بری خصلتیں مراد ہیں، غرضیکہ وہ عادتیں و خصلتیں جن سے قرابت ورشتہ داروں کے باہمی روابط وتعلقات چرمرا جاتے ہیں اور باہم دشمنی وکدورت پیدا ہوجاتی ہے اورکبھی خانہ جنگی کی نوبت بھی آجاتی ہے، اسی لیے اللہ تعالی جس طرح صلہ رحمی کو قابل تحسین قرار دیا ہے، اسی طرح قطع رحمی کو نہایت مذموم وقبیح اور گناہ عظیم اور گناہ کبیرہ گردانتا ہے، اس کے حرام اور گناہ کبیرہ ہونے پر تمام علمائے عظام کا اتفاق ہے، چنانچہ الموسوعۃ الفقہیۃ (۸۵/۳) میں لکھتے ہیں:

قطع الرحم المأمور بوصلها حرام باتفاق العلماء لقوله تعالى: والذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه ويقطعون ما أمر الله به أن يوصل ويفسدون في الأرض أولئك لهم اللعنة ولهم سوء الدار. (الرعد:۲۵)

یعنی اس رشتہ داری کو توڑنا جس کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے وہ باتفاق علماء کرام حرام ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: جولوگ اللہ تعالی کے عہد کو توڑتے ہیں اس کی مضبوطی کے بعد اوراس چیز کو کاٹتے ہیں جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کے لیے لعنت ہے اوران کے لیے برا گھر ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد باری ہے: فهل عسيتم ان توليتم ان تفسدوا في الأرض وتقطعوا أرحامكم أولئك الذين لعنهم الله فأصمهم وأعمى أبصارهم. (محمد:۲۲-۲۳) یعنی اللہ تعالی نے فرمایا: تو یقیناً قریب ہے جب تم کو اقتدار ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور رشتوں کو توڑو، یہی لوگ ہیں کہ جن پر اللہ نے لعنت کی اوران کو بہرہ اور گونگا کردیا۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ یوں آیا ہے:

﴿الذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه ويقطعون ما أمر الله به أن يوصل ويفسدون في الأرض أولئك هم الخاسرون﴾ (البقرة:۲۷)

یعنی جولوگ اللہ تعالی کے مضبوط عہد کو توڑ دیتے ہیں اور اللہ تعالی نے جن چیزوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

مذکورہ تینوں آیتوں سے قطع رحمی کی حرمت وقباحت ثابت ہوتی ہے۔ اسی معنی ومفہوم کی چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

۱-حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہ کی خبر نہ دے دوں؟ تین مرتبہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا، ہم نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ ضرور بتلایئے، آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، اور آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے پھر سیدھے ہوکر بیٹھ گئے اور فرمایا: سنو! جھوٹی بات کہنا اور جھوٹی گواہی دینا، یہ بھی بڑے گناہوں میں سے ہیں، پھر آپ اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے کہا کاش آپ خاموش ہوجائیں۔

اس حدیث میں چند کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے، جس کے ارتکاب پر قرآن کریم اور حدیث شریف میں بڑی وعید وارد ہوئی ہیں، ماں باپ کی نافرمانی اور شرک کو ایک ساتھ ذکر کرکے واضح کردیا کہ یہ دونوں گناہ بہت ہی خطرناک ہیں۔

۲-جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لا يدخل الجنة قاطع أي قاطع رحم" یعنی قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ (صحيح بخارى ، كتاب الادب، باب اثم القاطع، وصحيح مسلم ، كتاب البر والصلة، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها)

۳-مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بے شک اللہ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کرنے کو، ضرورت کے موقع پر خرچ نہ کرنے اور بغیر ضرورت سوال کرنے کو اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کو حرام کیا ہے اور فضول بحث وگفتگو کو اور کثرت سوال کو اور مال ضائع کرنے کو تمہارے لیے ناپسند کیا ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر، صحیح مسلم، کتاب الاقضیۃ، باب النہی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجۃ)

ان تینوں احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قطع رحمی حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

قطع رحمی کے نقصانات:

قطع رحمی کرنے کے بہت سے نقصانات اور اضرار ہیں، ان میں کچھ دینی اور کچھ دنیوی اور کچھ دینی ودنیوی دونوں ہیں، ہم ذیل میں ان میں سے چند بیان کرتے ہیں:

۱-قطع رحمی کرنا اللہ تعالی کے نزدیک نہایت ہی ناپسندیدہ عمل ہے:

عن رجل من خثعم، قال قلت يا رسول الله! أي الأعمال أبغض إلى الله؟ قال: الاشراك بالله، قال قلت يا رسول الله ! ثم مه؟ قال ثم قطيعة الرحم قال قلت يا رسول الله ثم مه؟ قال ثم الأمر بالمنكر والنهي عن المعروف۔ (الترغيب والترهيب: ۳ / ۳۳۵، قال المنذرى اسناده جيد، صحيح الالبانى فى صحيح الترغيب والترهيب:۲۲۲۲)

یعنی قبیلۂ خثعم کے ایک شخص کا کہنا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اللہ کے نزدیک کون سا عمل سب سے زیادہ ناپسندیدہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرنا، میں نے کہا اللہ کے رسول پھر کونسا؟ تو آپ نے فرمایا پھر قطع رحمی کرنا، میں نے کہا اے اللہ کے رسول پھر کونسا؟ تو آپ نے فرمایا پھر برائی کا حکم دینا اور نیکی سے منع کرنا۔ اللہ تعالی کا شریک

ٹھہرانا سب سے بڑا گناہ ہے، جسے اللہ تعالی معاف نہیں کرتا، اس کے بعد اور ساتھ قطع رحمی کا ذکر اس بات کی دلیل ہے، قطع رحمی بھی بہت بڑا گناہ ہے اور شرک کی طرح بہت ہی ناپسندیدہ عمل ہے۔

۲-قطع رحمی کرنے والے کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا:

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ان أعمال بني آدم تعرض كل خميس ليلة الجمعة فلا تقبل قاطع رحم۔ (مسند احمد : ۲ / ۴۸۴، ۱۰۲۲۷، قال الشيخ أحمد شاكر: اسناده صحيح (۴۳/۲۰) مجمع الزوائد: ۱۵۱/۸، قال الهيثمي: رجاله ثقات وحسنه الألباني فی صحيح الترغيب والترهيب: ۲۵۳۸)

یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب لوگوں کے اعمال ہر جمعرات جمعہ کی شب کو پیش کئے جاتے ہیں تو قطع رحمی کرنے والے شخص کا عمل قبول نہیں کیا جاتا۔

۳-قطع رحمی موجب ہلاکت ہے:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ اياكم والشح فانه أهلك من كان قبلكم، أمرهم بالظلم فظلموا وأمرهم فالقطيعة فقطعوا وأمرهم بالفجور ففجروا۔ (سنن ابی داود: ۱۶۸۸، مسند احمد : ۲ / ۹۱، مستدرك الحاكم : ۱ / ۴۱۵، والحديث صحيح الاسناد كما صححه محقق جامع الاصول والعلل أحمد شاكر والحاكم والذهبی)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے آپ کو شدت حرص وطمع سے بچاؤ، کیونکہ اسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا، اس نے ان کو ظلم کا حکم دیا، انہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا، اس نے انہیں قطع رحمی کا حکم دیا تو قطع رحمی کیا، اس نے فسق وفجور کا حکم دیا تو انہوں نے فسق وفجور کا ارتکاب کیا، اس لیے وہ ہلاک ہو گئے۔

۴-قطع رحمی کرنے والے کو دنیا ہی میں سزا مل جاتی ہے:

عن أبي هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ: ليس شيء أطيع الله فيه أجمل ثوابا من صلة الرحم وليس شيء أعجل عقابا من البغي وقطيعة الرحم۔ (سنن بيهقی: ۶۲/۱، صحيح الجامع الصغير: ۹۵۰/۲، ۳۵۹۱، الصحيحة: ۹۷۸۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: صلہ رحمی کا ثواب تمام کار خیر میں سب سے جلد ملنے والا ہے اور قطع رحمی اور ظلم کی سزا سب سے جلد ملنے والی ہے۔

اسی طرح ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ما من ذنب أحرى أن يعجل الله لصاحبه العقوبة فی الدنيا مع ما يدخر له فی الآخرة من البغي وقطيعة الرحم۔ (صحيح الترغيب والترهيب: ۲۵۲۷، الصحيحة: ۹۱۸)

یعنی بغاوت اور قطع رحمی ایسا گناہ ہے کہ اللہ تعالی ان کی سزا دنیا ہی کے اندر دے دیتا ہے۔

۵-قطع رحمی کرنے والے کے خلاف رحم کی فریاداوراس کے خلاف گواہی:

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال النبي ﷺ وكل رحم آتية يوم القيامة أمام صاحبها تشهد له بصلة ان كان وصلها وعليه بقطيعة ان كان قطعها۔ (صحیح بخاری مع الفتح: ۵۹۸۹، وصحيح مسلم: ۲۵۵۵)

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر رشتہ داری قیامت کے دن اپنے صاحب کے پاس آئے گی اوراس کے حق میں صلہ رحمی کی گواہی دے گی، اگراس نے صلہ رحمی کی ہوگی اوراس کے خلاف قطع رحمی کی گواہی دے گی، اگراس نے قطع رحمی کی ہوگی۔

اورحضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رحم رحمان سے مشتق ہے اورعرش سے لٹکا ہوا ہے اور کہتا ہے اے رب مجھے قطع کیا گیا، اے رب میرے ساتھ براسلوک کیا گیا، اے رب مجھ پرظلم کیا گیا، اے رب اے رب! تواللہ تعالیٰ اسے جواب دیتا ہے کیا تجھے یہ پسند نہیں، کہامیں اسے اپنی رحمت سے ملاؤں جو تجھے ملائے اوراپنی رحمت سے کاٹ دوں جو مجھے کاٹ دے۔(مسند احمد ۳۸۳/۲،مستدرک حاکم ۱۷۹/۴،صحیح الترغیب والترھیب: ۲۵۳۰)

۶-قطع رحمی سے جنت سے محرومی ہوتی ہے:

عن جبير بن مطعم رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: لا يدخل الجنة قاطع رحم۔ (صحيح بخارى، كتاب الأدب، باب اثم القاطع: ۵۹۸۴)

یعنی حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

نظرۃ النعیم(۵۳۳۷/۱۱)میں قطع رحمی کے درج ذیل نقصانات بتائے گئے ہیں۔

۱-قطع رحمی سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا رابطہ وتعلق منقطع ہوجاتا ہے اوراس کے قرب ورضا سے بندہ محروم ہوجاتا ہے۔

۲-قطع رحمی سے روزی میں تنگی اورعمرمیں بے برکتی آتی ہے۔

۳-قطع رحمی اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضگی اورلوگوں کی عداوت ودشمنی کا موجب ہے۔

۴-اجتماعی تعلقات خواہ ایک خاندان کے درمیان ہوں یا کئی خاندانوں کے درمیان ہوں، قطع رحمی ان رشتوں کو پارہ پارہ کردیتی ہے۔

۵-قطع رحمی جہنم میں داخل ہونے کا سبب ہے۔

۶-قطع رحمی آباد گھروں کو ویران کردینے والی ہے۔

اس مختصرسی تحریر سے واضح ہوگیا کہ قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے اوراس کے نقصانات بہت ہی بھیانک ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم تمام مسلمانوں کواس جرم عظیم اوراس کے نقصانات سے بچائے اورصلہ رحمی اوراس کے ثمرات وفوائد سے مستفید ہونے کا موقع عنایت کرے۔آمین ثم آمین۔ ☆☆

اسلام زور وزبردستی کا مذہب نہیں ہے

عزیر احمد/متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

اسلام وہ دین ہے جسے دے کر اللہ رب العزت نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے لیکر رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا اور اعلان کردیا: ﴿ومن يبتغ غير الإسلام دينا فلن يقبل منه وهو فى الآخرة من الخاسرين﴾ (آل عمران: ۸۵) جو شخص اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے، اس کا دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔

اسی طرح فرمایا: ﴿إن الدين عند الله الإسلام﴾ (آل عمران: ۱۹) بے شک اللہ تعالی کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا: ﴿أفغير دين الله يبغون وله أسلم من في السماوات والأرض طوعا وكرها وإليه يرجعون﴾ (آل عمران: ۸۳) کیا وہ اللہ تعالی کے دین کے سوا اور دین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ تعالی ہی کے فرماں بردار ہیں، خوشی سے یا ناخوشی سے، سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

لہذا وہ اسلام جو سابقہ تمام انبیاء کرام کا دین ومذہب تھا، رسالت محمدی ﷺ کی شکل میں پورے جمال وکمال کے ساتھ اس کی تکمیل کردی گئی اور یہ بھی اعلان کیا گیا کہ ہر شخص آزاد ہے، اور اس پر کسی بھی قسم کی کوئی زور زبردستی نہیں ہے کہ وہ مذہب اسلام قبول کرے، تاہم اسلام کی تعلیمات اس قدر روشن ہے کہ کوئی بھی شخص اگر ذرا بھی تدبر کرے تو وہ کلمۂ شہادت کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا، چنانچہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ﴿لا اكراه في الدين قد تبين الرشد من الغي فمن يكفر بالطاغوت ويؤمن بالله فقد استمسك بالعروة الوثقى لا انفصام لها والله سميع عليم﴾ (البقرۃ: ۲۵۶) دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے، اس لیے جو شخص دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالی پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالی سننے والا، جاننے والا ہے۔

اس آیت کے شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ مدینہ کے کچھ نوجوان یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے پھر جب ان کے والدین مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنی نوجوان اولاد کو بھی جو یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے زبردستی مسلمان بنانا چاہا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (بحوالہ تفسیر احسن البیان لصلاح الدین یوسف ص ۱۱۱)

اسی طرح سے احادیث مبارکہ میں ایسے بے شمار واقعات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام زور وزبردستی کا مذہب نہیں ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ کے کریمانہ اخلاق سے متاثر ہو کر لوگوں نے اسلام قبول کیا، انہیں میں سے چند واقعات حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی اکرم ﷺ نے نجد کی طرف چند سوار روانہ کئے، وہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو پکڑ لائے جس کو ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا، ان کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا گیا، نبی اکرم ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور پوچھا اے ثمامہ! تیرا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا میرا خیال اچھا ہے اگر آپ مجھے ماردیں گے تو ایسے شخص کو ماردیں گے جو خونی ہے اور اگر آپ احسان دکھا کر مجھے چھوڑ دیں گے تو میں آپ کا شکر گزار رہوں گا، اگر آپ مال چاہتے ہیں تو جتنا چاہیں طلب فرمائیں، یہ سن کر آپ ﷺ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا، تین دن تک یہی ہوتا رہا، نبی ﷺ سوال کرتے اور وہ یہی جواب دیتے، چنانچہ ان کو آزاد

کردیا گیا، وہ مسجد کے قریب ایک تالاب پر گئے، غسل کرکے مسجد میں آئے اور کہنے لگے: أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمدا رسول الله والله ما كان على الأرض وجه أبغض من وجهك فقد أصبح وجهك أحب الوجوه إليّ والله ما كان من دين أبغض إليّ من دينك فأصبح دينك أحب الدين إليّ والله ما كان من بلد أبغض من بلدك فأصبح بلدك أحب البلاد إليّ۔

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں اور بیشک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اے محمد ﷺ! اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ مجھے روئے زمین پر آپ کے چہرہ سے بڑھ کر کوئی چہرہ برا معلوم نہ ہوتا تھا اور اب مجھے آپ کا چہرہ سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، اللہ کی قسم مجھے آپ کے دین سے بڑھ کر کوئی اور دین برا معلوم نہ ہوتا تھا اور اب آپ ﷺ کا دین مجھے سب سے اچھا معلوم ہوتا ہے، اللہ کی قسم میرے نزدیک آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر برا نہ تھا اور اب آپ کا شہر مجھے سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب وفد بنی حنیفۃ)

(۲) زندگی بھر رسول اکرم ﷺ کے خلاف سازشیں کرنے والا رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی جب فوت ہوا تو اس کے بیٹے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر آپ ﷺ نے نہ صرف کفن کے لیے اپنا قمیص عنایت فرمایا بلکہ اس کی مغفرت کے لیے ستر سے زیادہ مرتبہ دعا کا ارادہ بھی فرمایا، چنانچہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کا دامن تھام کر کہنے لگے: أتصلي عليه؟ وقد نهاك الله عز وجل أن تصلي عليه کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کی نماز پڑھاتے ہیں حالانکہ اللہ عزوجل نے آپ کو اس کی نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے تو آپ ﷺ نے جواب دیا: انما خيرني الله فقال: "استغفر لهم أو لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة" سأزيد على سبعين یعنی اللہ تعالی نے مجھے اختیار دیا ہے اور فرمایا تو دعا کر یا نہ کر اگر تو ان منافقوں کے لیے ستر مرتبہ بھی دعا کرے تو نہیں بخشے جائیں گے۔ لہذا میں ستر مرتبہ سے زیادہ دعا کروں گا۔ (صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، کتاب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ)

(۳) اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کے لیے نکلے، دوپہر کا وقت ایک ایسے جنگل میں آ گیا جس میں کانٹے دار درخت کثرت سے تھے، رسول اکرم ﷺ ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے، اپنی تلوار درخت سے لٹکائی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ بھی سائے کی تلاش میں ادھر ادھر درختوں کے نیچے چلے گئے، اچانک ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں بلا رہے ہیں، ہم حاضر ہوئے، ایک دیہاتی آپ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں سو رہا تھا کہ یہ شخص آیا اور میری تلوار مجھ پر سونت لی، میں جاگا تو دیکھا کہ ننگی تلوار لیے میرے سر پر کھڑا تھا، کہنے لگا: ''تجھے اب مجھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: اللہ، اس پر اس نے تلوار نیام میں ڈال دی اور دیکھو اب یہ میرے سامنے بیٹھا ہے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کو کوئی سزا نہ دی۔ (صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع)

(۴) کچھ اسی طرح کا واقعہ صفوان بن امیہ اور فضالہ بن عمیر کا بھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام زور وزبردستی کا مذہب نہیں ہے، مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ؒ نے ان دونوں کا واقعہ یوں بیان فرمایا ہے: صفوان کا خون اگرچہ رائیگاں نہیں قرار دیا گیا تھا، لیکن قریش کا ایک بڑا لیڈر ہونے کی حیثیت سے اسے اپنی جان کا خطرہ تھا، اسی لیے وہ بھی بھاگ گیا، عمیر بن وہب جمحی نے رسول اللہ

ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکراس کے لیے امان طلب کی ،آپ ﷺ نے امان دے دی اورعلامت کے طور پرعمیر کو اپنی وہ پگڑی بھی دے دی جو مکہ میں داخلہ کے وقت آپ نے سر پر باندھ رکھی تھی ،عمیر صفوان کے پاس پہنچے تو وہ جدہ سے یمن جانے کے لیے جہاز پرسوار ہونے کی تیاری کررہا تھا،عمیر اسے واپس لے آئے ،اس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا مجھے دو مہینے کا اختیار دیجئے ،آپ نے فرمایا: تمہیں چار مہینے کا اختیار ہے،اس کے بعد صفوان نے اسلام قبول کرلیا،اس کی بیوی پہلے ہی مسلمان ہوچکی تھی ،آپ نے دونوں کو پہلے ہی نکاح پر برقرار رکھا،فضالہ ایک جری آدمی تھا،جس وقت رسول اللہ ﷺ طواف کررہے تھے وہ قتل کی نیت سے آپ کے پاس آیا،لیکن رسول اللہ ﷺ نے بتادیا کہ اس کے دل میں کیا ہے،اس پر وہ مسلمان ہوگیا۔(الرحیق المختوم ص ۶۳۷)

(۵)صلح حدیبیہ کوناکام بنانے کے لیے مشرکین مکہ کے ۸۰ نوجوان نے رات کے وقت مسلمانوں پرحملہ کرکے جنگ بھڑکانے کی کوشش کی اورجبل تنعیم سے اتر کر آپ ﷺ پرچڑھائی کی ،وہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ کو اور آپ کے اصحاب کودھوکہ دے کرحملہ آور ہوں ،چنانچہ آپ ﷺ نے سب کوگرفتار کرلیا،لیکن پھر آزاد فرمادیا۔(صحیح مسلم،کتاب الجہاد والسیر ،باب قول اللہ (هو الذين كف أيديهم عنه)

(۶)اسی طرح جب طفیل دوسی رضی اللہ عنہ نے اپنے قبیلہ کے لیے بددعا کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس کے برعکس ان کے لیے ہدایت کی دعا کی ،چنانچہ فرمایا: "اللهم اهد دوسا فائت بهم" یعنی یا اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے اورانہیں میرے پاس لے آ۔(صحیح مسلم،کتاب الفضائل،باب من فضائل غفار واسلم)

(۷)فقراء ومساکین پرصادر ہونے والی رحمت کا ذکر کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کورسول اللہ ﷺ نے اسے اتنی ہی بکریاں عطا فرمائی جس قدراس نے مطالبہ کیا تھا،پھر وہ اپنی قوم کے پاس آیا اور کہنے لگا: أي قوم أسلموا فوالله ان محمدا ليعطي عطاء ما يخاف الفقر یعنی لوگو!مسلمان ہوجاؤ،اللہ کی قسم بے شک محمد ﷺ تو اتنا دیتے ہیں کہ انہیں فقر کا ڈرنہیں رہتا۔(صحیح مسلم،كتاب الفضائل ، باب من سخائه ﷺ)

حال تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نوکروں خدام اورغلاموں کے ساتھ بھی رحمت کا معاملہ فرمایا اورایسے حقوق دیئے کہ وہ لوگ خود بخود اسلام کے قریب آگئے ،چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: یہ تمہارے بھائی بہن ہیں جو تمہاری خدمت کرتے ہیں ،انہیں اللہ نے تمہارا زیردست بنایا ہے،لہذا جس کا بھائی اس کے زیردست ہواسے چاہئے کہ اپنے زیردست کوبھی وہی کھلائے جوخود کھاتا ہے،وہی پہنائے جوخود پہنتا ہے اوراسے ایسے کام کا حکم نہ دے جواس کی ہمت سے بڑھ کر ہواوراگر ایسے کام کا حکم دے تو پھر خود اس کی مدد کرے۔(صحیح بخاری،کتاب العتق،باب قول النبی:العبد اخوانکم)

اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت سے قبل لوگوں کوروحانی سکون اوراطمینان قلب حاصل نہیں تھا،ہرایک کرب واضطراب کا شکار تھا،ایسی حالت میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی اورآپ ﷺ کا اعلی وارفع اخلاق ،امانت داری ،صداقت ،انصاف ،رحم دلی ،حسن سلوک ،ایفائے عہد ،حلال پرقناعت ،حرام سے اجتناب جیسے اخلاق نے عربوں کواس قدرمتاثر کیا کہ ڈھیرے ڈھیرے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے صرف وہی لوگ اسلام سے دور رہے جنہوں نے کبروتکبر کیا اوراسلام قبول کرنے میں اپنی توہین سمجھی ،یہی اخلاق حسنہ

اسلام کی تلوار تھی، اس کا مفصل ذکر ہم گزشتہ اوراق میں کر چکے ہیں، یہاں ہم صرف چند ایسے اقوال ذکر کریں گے وہ بھی ان کے جنہوں نے اسلام تو قبول نہیں کیا لیکن یہ حق بیانی ضرور کردی کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں پھیلا۔

(۱) بیت اللہ شریف کی تعمیر کے وقت جبکہ آپ کی عمر ۳۵ سال تھی، مکہ مکرمہ کے تمام قریشی سرداروں کا آپ ﷺ کے حکم پر فوراً متفق ہونا اس بات کی قطعی ثبوت ہے کہ تمام بڑے بڑے سرداروں کو آپ ﷺ کی فہم وفراست اور دیانت داری پر مکمل اعتماد تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے حجر اسود نصب کرنے کے لیے جو فیصلہ فرمایا اسے نہ صرف تمام سرداروں نے بلا چوں وچرا تسلیم کیا بلکہ آپ ﷺ کی فہم وفراست اور تدبر کی خوب داد دی اور کھل کر اظہار مسرت کیا۔ (بحوالہ فضائل رحمۃ للعالمین ص ۳۹۔۴۰)

(۲) ابوسفیان نے اسلام قبول کرنے سے پہلے قیصر روم ہرقل کے سامنے بھرے دربار میں یہ گواہی دی محمد ﷺ جھوٹ نہیں بولتے، بدعہدی نہیں کرتے، سچائی، پرہیزگاری اور پاکیزگی کا حکم دیتے ہیں۔ (فضائل رحمۃ للعالمین ص ۴۰)

(۳) طاغوت اکبر ابوجہل سے کسی قریشی سردار نے پوچھا تم محمد ﷺ کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ ابوجہل نے جواب دیا اللہ کی قسم محمد ﷺ بالکل سچے ہیں، آج تک محمد ﷺ کی زبان سے جھوٹ نہیں نکلا۔ (فضائل رحمۃ للعالمین ص ۴۲)

(۴) ایک مجلس میں آپ ﷺ کے بدترین دشمن ولید بن مغیرہ نے سب کے سامنے اعتراف کیا: واللہ محمد شاعر ہے نہ کاہن، ساحر ہے نہ دیوانہ، اس کی بات بڑی شیریں اور دلوں میں اترنے والی ہے۔ (فضائل رحمۃ للعالمین ص ۴۱)

اسی طرح اگر ہم معاصر لوگوں کی بات کریں تو گاندھی جی نے کچھ یوں فرمایا ہے کہ اب مجھے پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا ہے کہ اسلام کے پھیلنے میں تلوار کی قوت نہ تھی، بلکہ یہ اسلام کے پیغمبر کی نہایت ہی سادہ زندگی، آپ کی قناعت، فرماں برداری اور لوگوں سے بے خوف ہونا تھا، یہ تلوار کی قوت نہیں تھی بلکہ یہ سب خصوصیات تھی اور اچھائیاں تھیں جن سے ساری رکاوٹیں دور ہو گئیں اور آپ نے تمام پریشانیوں پر فتح حاصل کر لی۔ (جگت مہرتی ص ۲ بحوالہ پرچہ کیا کہتے ہیں وہ محمد ﷺ کے بارے میں ص ۶)

اسی طرح ایک مشہور قومی لیڈر ’’بابو مکٹ دھاری پرساد‘‘ کہتے ہیں: کہا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور پر پھیلا، آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ میرا بھی یہی ماننا تھا، لیکن وہ کون سی تلوار تھی؟ کیا وہ لوہے کی تلوار تھی؟ نہیں وہ محمد ﷺ کی قیمتی صداقت، عفو ودرگذری، واضح خیالات اور ان کی عظیم خصوصیات اور قیامت تک نہ مٹنے والی بہترین تعلیمات کی چمکتی دمکتی تلوار تھی جس نے گردنیں کاٹنے کی جگہ قلوب کو ایک دھاگے میں جوڑ دیا۔ (جگت مہرتی ص ۶۸ بحوالہ پرچہ کیا کہتے ہیں وہ اسلام کے بارے میں)

یہ ہے حقیقت جس کا انکشاف خود غیر کر رہے ہیں اور اسلام کے دین رحمت ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہی وہ حقائق ہیں جن کا بنا پر تمام عالم میں اسلام سر بلند ہوا اور ان شاء اللہ ہوتا رہے گا، خواہ ان حقائق پر دشمنان اسلام پردہ ڈالتے رہیں، کیونکہ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿يريدون أن يطفئوا نور الله بأفواههم ويأبى الله الا أن يتم نوره ولو كره الكافرون، هو الذي أرسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون﴾ (التوبہ: ۳۲-۳۳) وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھادیں اور اللہ تعالیٰ انکاری ہے مگر اسی بات کا کہ اپنا نور پورا کرے، گو کافر ناخوش رہیں، اسی نے اپنے

رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذہبوں پر غالب کردے، اگر چہ مشرک برا مانیں۔

آخر میں اللہ سے دعا ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیمات لوگوں تک پہنچائے اور اس کی راہ آسان کردے اور ہم تمام لوگوں کو اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق دے، آمین۔☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

کے علاوہ بھی حدیث کی کتابیں موجود ہیں۔اور سب اپنی اپنی جگہ پر اہم کتابیں ہیں۔

ذیل میں ان چھ محدثین کا کرام کا ڈاٹا پیش کرتے ہیں جن سے محدثین کرام کے مقام، مسکن اور محنت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

نمبرشمار	کتاب کامشہورنام	محدثین کرام اور کتاب کا اصل نام	پیدائش	وفات	جائے پیدائش	کہاں کہاں سفرکیا
۱	صحیح بخاری ۷۵۶۳ حدیث	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرہ البخاری الجامع الصحیح المسند المختصر من أمور رسول اللہ ﷺ وسننہ وأیامہ	۱۹۴ھ ۸۱۰ء	۲۵۶ھ ۸۷۰ء	بخاری اوزبکستان	خراسان، عراق، مصر، شام، بغداد، بصرہ، دمشق، فسطاط، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ
۲	صحیح مسلم ۷۶۶۲ حدیث	ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری المسند الصحیح المختصر بنقل العدل عن العدل إلی رسول اللہ ﷺ	۲۰۴ھ ۸۲۰ء	۲۶۱ھ ۸۷۵ء	نیسا پور ایران	نیسا پور، بصرہ، مدینہ، مکہ، تبوک، فسطاط، دمشق، بغداد
۳	ابوداود ۵۲۷۴ حدیث	ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بن شداد الازدی السجستانی سنن ابی داؤد	۲۰۲ھ ۸۱۷ء	۲۷۵ھ ۸۸۹ء	سجستان افغانستان	سجستان، بغداد، بصرہ، مکہ، فسطاط، دمشق
۴	ترمذی ۳۹۵۶ حدیث	ابوعیسی محمد بن عیسی بن سورہ الترمذی الجامع الصحیح ـ سنن الترمذی	۲۰۹ھ ۸۲۴ء	۲۷۹ھ ۸۹۲ء	ترمذ اوزبکستان	ترمذ، بخاری، نیسا پور، الری، بغداد، بصرہ، مدینہ، مکہ
۵	ابن ماجہ ۴۳۴۱ حدیث	ابوعبداللہ ابن ماجہ محمد بن یزید القزوینی سنن ابن ماجہ	۲۰۹ھ ۸۲۴ء	۲۷۳ھ ۸۸۷ء	قزوین ایران	قزوین، الری، بصرة، بغداد، دمشق، القدس، فسطاط، تبوک، مدینہ، مکہ
۶	نسائی ۵۷۵۴ حدیث	ابوعبدالرحمٰن احمد بن علی بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی المجتبیٰ من السنن = السنن الصغری للنسائی	۲۱۵ھ ۸۳۰ء	۳۰۳ھ ۹۱۵ء	نسا ترکمانستان	نسا سے الری، بغداد، بصرہ، مدینہ، مکہ، تبوک، فسطاط، القدس

(جاری)

محمد رسول اللہ ﷺ: بحیثیت نبی امی

نسیم اختر عبد المجید/فضیلت ثانی
متعلم جامعہ سلفیہ، بنارس

رسول عربی فداہ ابی وامی ﷺ کو رب ذوالجلال نے خوبیوں کی خمیر سے تیار کیا، ظاہر و باطن ہر لحاظ سے آپ کی شخصیت کو باکمال بنایا، جہاں آپ کو حسب ونسب کے اعتبار سے اعلی بنایا وہیں عادات واطوار اور اخلاق واعمال میں بھی بے مثال بنایا، ان گوناگوں محاسن وکمالات کے آپ کے اندر جمع کرنے کا راز یہ تھا کہ آپ تا ابد اہل جہاں کے تنہا امام وقائد ہوں گے اور آپ کی امامت وقیادت کا سکہ جملہ شعبہائے زندگی میں چلے گا، لہذا حکمت رب قدیر متقاضی ہوئی کہ رسول کی ذات کو کسی اتالیق کے شیوۂ شاگردی سے بے نیاز کرکے راست آپ پر علوم وفنون کا القاء کرے چنانچہ رب ذوالجلال نے آپ ﷺ کو امی مبعوث کیا اور حسب ضرورت حال آپ کے قلب اطہر پر مقدس احکام ومسائل کو اتارا ﴿وانه لتنزيل رب العالمين نزل به الروح الأمين على قلبك لتكون من المنذرين﴾ (الشعراء:۱۹۴) ترجمہ: اور یہ قرآن رب العالمین کا نازل کیا ہوا ہے جسے امانت دار فرشتہ لے کر اترے ہیں، آپ کے دل پر، تاکہ آپ ڈرانے والے ہو جائیں۔

اس واضح اور بے غبار حقیقت کے باوجود جب مسلمانوں کے عوام وخواص میں آپ کے امی صفت کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو کچھ لوگ ناک بھوں چڑھا لیتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ یہ آپ ﷺ سے بے پناہ محبت وعقیدت کا مظہر ہے، مگر اس محبت میں علم وبصیرت کا دخل نہیں جس کی بنا پر ایک مثبت اور قابل مدح صفت کو منفی معنی میں لے رہے ہیں۔

امی لفظ لغت میں:

لسان العرب، تاج العروس، المنجد، المعجم الوسیط جیسی متعدد عربی ڈکشنریوں میں امی لفظ کی جو تشریح کی گئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امی ام کی طرف نسبت ہے یعنی ایسا انسان جو اس سادہ حالت پر قائم ہو جس پر اس کی ماں نے اسے پیدا کیا تھا، جو نہ لکھنا جانتا ہو اور نہ لکھی ہوئی چیز پڑھ سکتا ہو۔

مذکورہ لغوی معنی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جب مدثر ومزمل فداہ ابی وامی ﷺ کی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنی پیدائشی حالت پر تا زندگی باقی رہے اور لکھنے پڑھنے کا روایتی عمل سیکھنے کا تکلف نہ کیا۔

امی ہونے کا پس منظر:

داعی اعظم معلم انسانیت ﷺ نے جس وقت سرزمین عرب میں آنکھیں کھولیں اس وقت وہاں کی معاشرت پر امیت کا غلبہ تھا پڑھنے لکھنے کے عمل سے چند گنے چنے افراد ہی واقف تھے مثلا ورقہ بن نوفل جو عبرانی زبان میں تورات لکھتے تھے، صرف طائف میں کچھ لوگ فن کتابت سے آشنا تھے جنہوں نے حیرہ والوں سے اسے سیکھا تھا، اس طرح کے ان پڑھ ماحول

میں آپ نے پرورش پائی، پھر نبوت ورسالت سے سرفراز کیے جانے تک مختلف گھریلو حالات کے نرغے میں اس قدر گھر گئے کہ پھر آپ کو پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ کا موقع نہ ملا، چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے آپ کی بعثت کے تذکرے میں فرمایا: ﴿هو الذي بعث في الأميين رسولا منهم﴾ (الجمعۃ:۲) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا۔

امیت کی علت میں جو بات سب سے مناسب لگتی ہے وہ رسول کا مرسل الیہم کے حالات سے ہم آہنگ ہونا ہے یعنی عربوں کی اکثریت ان پڑھ اور ناخواندہ تھی تو رسول کو بھی امی بنایا گیا تاکہ پیام حق کو ماننے میں انہیں تامل نہ ہو اور یہ نہ کہہ سکیں کہ رسول تو پڑھا لکھا ہے اور ہم تو ان پڑھ ہیں۔

تعبیر میں دقت ونزاکت:

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے امی یعنی ان پڑھ لقب استعمال کیا جو آپ کی رسالت کی امتیازی شان ہے مگر ناسمجھی میں لوگ ان پڑھ اور جاہل کو یکساں سمجھتے ہیں جب کہ دونوں کے مفہوم میں فرق ہے، جاہل کا مطلب بے علم اور ان پڑھ کا معنی بے پڑھا لکھا اور اس بات کا امکان ہے کہ ایک ان پڑھ شخص مروجہ وسائل تعلیم کا سہارا لیے بغیر ضروری علوم وفنون سے واقف ہو، اگرچہ اکثر حالات میں علم کا دارومدار حصول تعلیم ہی پر ہوتا ہے۔

وہ نصوص جو آپ ﷺ کو امی ثابت کرتی ہیں:

قرآن وسنت میں ایسے نصوص بکثرت موجود ہیں جس سے آپ کے امی ہونے کا ثبوت ملتا ہے لیکن ان سب کا یہاں استیعاب مقصود نہیں بلکہ موضوع کی قدرے وضاحت مطلوب ہے، لہذا برسبیل تذکرہ چند نصوص پیش خدمت ہیں:

۱- سورہ اعراف میں رسول رحمت ﷺ کی رسالت کی امومیت کا بیان قرآن نے اس طور پر کیا ہے: ﴿قل يا أيها الناس اني رسول الله إليكم جميعا الذي له ملك السماوات والأرض لا إله الا هو يحيى ويميت فآمنوا بالله ورسوله النبي الأمي الذي يؤمن بالله وكلماته واتبعوه لعلكم تهتدون﴾ (الاعراف:۱۵۸) اے نبی ﷺ آپ کہہ دیجئے اے لوگو! بیشک میں تم سب کی جانب اس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین میں ہے، اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہی زندگی عطا کرتا ہے اور وہی موت سے ہمکنار کرتا ہے، سو تم اللہ اور اس کے رسول نبی امی پر ایمان لے آؤ جو اللہ اور اس کے احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور اسی کی اتباع کرو تاکہ تم راہ ہدایت پر آجاؤ۔

۲- جب نزول وحی کا زمانہ قریب ہوا تو تنہائی آپ کو محبوب ہوگئی، آپ کئی کئی دن غار حراء کی خلوت میں مصروف عبادت رہا کرتے جب توشہ ختم ہوجاتا تو ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتے پھر توشہ لے کر واپس اسی غار میں آجاتے حتی کہ آپ کے پاس حق آیا یعنی جبرئیل امین وحی لے کر اترے اور آپ ﷺ سے کہا: اقرأ (پڑھیے) آپ نے فرمایا: ما أنا بقارىء (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں)۔(۱)

(۱) صحیح بخاری: باب کیف کان بدئ الوحی۔

۳-مہینوں کے حساب وکتاب کے لیے عربوں کے پاس کوئی مستقل علم نہ تھا اسی بنا پر رسول گرامی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: "إنا أمة أمّية لا نكتب ولا نحسب" (۱) ہم ان پڑھ قوم ہیں لکھنا اور حساب کرنا نہیں جانتے۔

۴-حدیبیہ کے مقام پر جب مسلمانوں اور کافروں کے درمیان صلح کی دفعات طے ہوئیں تو آپ ﷺ نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلوایا کہ صلح کی تحریر لکھیں، یہ واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن نسائی وغیرہ میں روایات کے اختلاف کے ساتھ درج ہے مگر میں یہاں صرف صحیح مسلم سے روایت نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، "عن البراء قال: لما أحصر النبي ﷺ عند البيت، صالحه أهل مكة على أن يدخلها فيقيم بها ثلاثا، ولا يدخلها الا بجلبان السلاح، السيف قرابه، لا يخرج بأحد معه من أهلها ولا يمنع أحدا يمكث بها ممن كان معه، قال لعلي اكتب الشرط بيننا، بسم الله الرحمن الرحيم هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله، فقال له المشركون: لو نعلم أنك رسول الله تابعناك، ولكن اكتب محمد بن عبد الله، فأمر عليا أن يمحاها، فقال علي: لا، والله! لا أمحاها، فقال رسول الله ﷺ: "أرني مكانها"، فأراه مكانها، فمحاها وكتب ابن عبد الله .. الخ"۔ (۲)

ترجمہ: براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: جب خانۂ کعبہ کے قریب (حدیبیہ کے مقام پر) رسول اللہ ﷺ کو روک دیا گیا اس وقت اہل مکہ نے آپ ﷺ سے اس شرط پر صلح کی کہ آپ مکہ میں داخل ہو کر تین روز قیام کریں گے، ہتھیار بند ہو کر داخل ہوں گے، شہر مکہ کے باشندوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ لے کے نہیں نکلیں گے، اور آپ کے ساتھ جو لوگ مکہ جائیں گے اگر وہ لوگ وہاں ٹھہرنا چاہیں تو آپ منع نہیں کریں گے، آپ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا: معاہدہ کے شرائط لکھو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ وہ عہد نامہ ہے جس پر محمد رسول اللہ ﷺ نے صلح کی، مشرکوں نے اس پر اعتراض کیا: اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول ہی مان لیتے تو آپ کے متبع ہوتے (پھر آپ سے جنگ کی کیا ضرورت تھی) لہذا آپ محمد بن عبداللہ لکھیں، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اسے مٹانے کو کہا تو وہ بول پڑے بخدا میں اسے مٹا نہیں سکتا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: پھر مجھے وہ جگہ دکھاؤ، انہوں نے جگہ دکھایا تو آپ نے مٹا دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہاں ''ابن عبداللہ'' لکھا۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ آپ ﷺ امی تھے، یہاں یہ واضح کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض حضرات کو صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں وارد روایت کے لفظ ''کتب'' سے یہ شبہ ہوا ہے کہ آپ ﷺ لکھنا جانتے تھے تبھی تو

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصوم:، باب قول النبی ﷺ: لانکتب ولانحسب۔
(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیۃ فی الحدیبیۃ۔

آپ نے محمد ابن عبداللہ لکھا، اس شبہ کو زائل کرنے کے لیے ہم کہیں گے کہ جس طرح قرآنی آیات بعض بعض کی تفسیر کرتی ہیں، بعینہ احادیث باہم ایک دوسرے کی تشریح وتوضیح کرتی ہیں، لہذا اصحاح وسنن میں صلح حدیبیہ کے باب میں وارد تمام روایات کے جمع کرنے سے مذکورہ شبہ زائل ہوجاتا ہے اور تشفی بخش جواب مل جاتا ہے کہ آپ ﷺ امی تھے وہ اس طرح کہ روایات کے الفاظ میں اختلاف ضرور ہے، مگر کاتب معاہدہ علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں اور سنن نسائی وصحیح مسلم کی روایت میں اس بات کی صراحت ہے کہ معاہدہ کے متن میں جس لفظ پر کافروں کو اعتراض تھا اسے مٹانے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوئے تو آپ ﷺ نے اس متنازعہ مقام کو دکھانے کو کہا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ امی تھے، اگر پڑھے لکھے ہوتے تو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مجھے دکھاؤ، رہی بات ''کتب'' کے بعد فاعل مذکور نہ ہونے کی تو یہ جملے میں بلاغت کی وجہ سے ہے اور یہ مجاز عقلی ہے چونکہ کاتب معلوم ہے اور وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس لیے ذکر کی ضرورت نہ تھی، اس طرح کی مثالیں آپ کے اقوال وافعال میں متعدد جگہ ملتی ہیں۔

رحمۃ للعالمین کو امی مبعوث کرنے میں حکمت:

ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ آخر رسول اکرم ﷺ کو امی مبعوث کرنے میں کیا حکمت تھی آپ نے کسی کی شاگردی اختیار نہ کی حالانکہ حصول تعلیم فضیلت والا عمل ہے اور ان پڑھ رہنا ایک قسم کا عیب ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک تحصیل علم باعث فضیلت ہے اور ان پڑھ رہنا عیب ہے، کیونکہ انسان اپنے جسمانی اور روحانی تقاضوں کی تکمیل کے لیے علم کا محتاج ہے اور حصول علم کے لیے استاذ کی رہنمائی ضروری ہے، یہ ایک دنیاوی ضابطہ ہے، مگر اللہ نے اپنے رسول کو اس قاعدہ کلیہ سے مستثنی رکھا ہے، تاکہ آپ میں اور دیگر عام لوگوں میں خاص امتیاز باقی رہے، چنانچہ امی وان پڑھ ہونا آپ کی ذات کا تو معجزہ اور آپ کے لیے صفت کمال ومدح ہے، لیکن عام انسانوں کے لیے باعث نقص وعیب ہے، جس طرح تکبر اللہ کے لیے مدح وتوصیف ہے اور مخلوق کے لیے عیب ہے، آپ کے امی رکھنے میں رب کی بڑی حکمتیں پوشیدہ تھیں، مثلا: جب بحیثیت امی آپ لوگوں پر کلام ربانی پیش کریں گے تو دل اس کی طرف مائل ہوں گے اور اسے قبول کرنے میں جھجھک محسوس نہیں کریں گے اور کلام کے من جانب اللہ ہونے میں شک نہیں کریں گے بصورت دیگر اگر آپ پڑھنا لکھنا سیکھ لیتے تو مخاطبین کو اس کلام الہی کے تعلق سے شک ہونے لگتا کہ آپ نے اسے اپنے استاذ سے سیکھ لیا ہے یا سابقہ آسمانی کتابوں کے مطالعہ سے حاصل کیا ہے، اللہ رب العزت نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا كُنتَ تَتْلُوا مِن قَبْلِهِ مِن كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ﴾ (العنکبوت:۴۸) آپ اس سے پہلے نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست شک میں پڑ جاتے۔

آیت میں قبل نبوت قرأت وکتابت کی نفی کی گئی ہے، اس سے یہ معنی اخذ کرنا کہ بعد نبوت آپ پڑھنا لکھنا سیکھ گئے

تھے محض مفہوم مخالف اور ایک لفظی شبہ ہے جو علماء اصول کے نزدیک صحیح نہیں ہے کیونکہ تاریخ وقرائن سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، مزید برآں اس سے آپ کے امی ہونے پر حرف آتا ہے جو کہ آپ کا معجزہ ہے۔

دوسری حکمت یہ تھی کہ آپ کے ذریعہ لایا ہوا دین اپنے ما سوا تمام ادیان سماویہ کا ناسخ بن جائے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللّٰهِ شَهِيْداً﴾ (الفتح:۲۸) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے اور اللہ تعالی بطور گواہ کافی ہے۔

اور آپ کی شریعت بلا اختلاف قوم وملت ہر فرد بشر کے لیے واجب الاتباع قرار پائے، چنانچہ تورات وانجیل میں جہاں آپ ﷺ کی آمد کی خبر دی گئی وہاں آپ کو امی صفت سے متصف کیا گیا اور آپ کے ظہور کے وقت اہل کتاب کی ہدایت ونجات کو آپ کی اتباع پر موقوف کر دیا گیا جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكَاةَ وَالَّذِيْنَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُوْنَ، الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الأُمِّیَّ الَّذِیْ يَجِدُوْنَهُ مَكْتُوباً عِندَهُمْ فِیْ التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيْلِ﴾ (الأعراف: ۱۵۶-۱۵۷) اور میری رحمت تمام چیزوں کو محیط ہے، میں اسے ضرور لکھوں گا، ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرتے ہیں، زکاۃ ادا کرتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں وہ لوگ ایسے رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں جن کو وہ اپنے پاس تورات وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

لہذا اگر آپ پڑھنے لکھنے سے واقف ہوتے تو اہل کتاب اس کو آڑ بنا کر آپ کے نبوت کی تردید کرتے اور کہتے کہ ہم نے جس نبی کا ذکر اپنی کتابوں میں پڑھا ہے وہ تو امی ہے اور آپ پڑھے لکھے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی قوم جس نے آپ کو صادق وامین کے لقب سے ملقب کیا تھا، اعلان نبوت کے بعد آپ کی دشمن بن گئی اور ہر دم اس تاک میں رہتی کہ آپ کے اندر کوئی عیب نظر آئے اور اس کے ذریعہ آپ کو مطعون کر کے منصب رسالت پر داغ لگائے، اگر وہ تحصیل علم کی خبر پاتے تو اسے بھی لے کر خوب پروپیگنڈہ کرتے، لیکن چونکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا، اس لیے ان کا ناطقہ بند ہو گیا، شبہات رفع ہو گئے اور چار و ناچار آپ کی نبوت ورسالت کی ہامی بھرنی پڑی۔ الغرض مقصود کلام یہ ہے کہ آپ ﷺ امی وان پڑھ تھے، مگر اللہ نے آپ کو وہ کمال عطا کیا کہ بڑے بڑے علماء وفضلاء کو فارغ کیا، لوح وقلم کے استعمال سے ناواقف تھے، مگر ان کے اندر جو اسرار ورموز ہیں ان سے دنیا کو آگاہ کیا، کسی درس گاہ میں تعلیم نہیں پائی مگر ایسی تعلیمات پیش کیں جس کی صداقت وحقانیت کی دنیا معترف ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں ورنہ کوئی امی اس کمال درجے کا دستور حیات کیسے دے سکتا ہے جو سراپا عدل وخیر پر مبنی ہو اور جس میں نوع انسانی کے لیے دنیا وآخرت کی فلاح وکامرانی، نجات وسعادت ہو۔

☆☆☆

جنوبی ہند کا ایک دعوتی سفر

مشاہدات و تاثرات

راشد حسن فضل حق مبارک پوری

قرآن مجید نے ''قل سیروا فی الأرض'' کے ذریعہ سیر و سیاحت کا جو حکم دیا ہے، وہ یقیناً بے مقصد نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے ڈھیر سارے حکم و مصالح کارفرما ہیں، قرآن مجید میں جہاں کہیں اس آیت کریمہ کے ذریعہ سیر و سیاحت کا حکم ہے وہاں قوموں کے عواقب وانجام سے آگہی و معرفت کی تاکید بھی ہے، ایسا اس لیے تاکہ انسان سیر و سیاحت کی رنگینیوں اور حسن ازل کی کرشمہ سازیوں میں محض گم ہوکر نہ رہ جائے، بلکہ انسانیت کے مقصد تخلیق اور اس سے سر مو انحراف کے بھیانک انجام سے آشنا و باخبر رہے۔

اس سے قبل راقم السطور نے شموگہ میں سلفی تاریخ کا ایک مختصر جائزہ لیا تھا، جس میں بعض اخوان پر گذری ہوئی دلخراش داستان کی ہلکی سی جھلک بھی تھی، اور انکی دعوتی کاوشوں کا تذکرہ بھی تھا، اس مضمون کی جس قدر پذیرائی ہوئی، جس شوق سے لوگوں نے پڑھا اور تذکرہ کیا، مضمون نگار کے گمان میں بھی نہ تھا، جس نے حوصلہ کو آہنی قوت دی، اور اس سلسلہ کو مزید وسعت دینے کی جرأت پیدا ہوئی۔

ہر مقام کی دعوتی تاریخ اس لیے بھی ضروری ہے، تاکہ آئندہ نسلیں اسے یاد رکھیں، اور اپنے اسلاف کی بے لوث قربانیوں، بے داغ محنتوں اور عظمت رفتہ کو بحال کرنے کی منصوبہ بند امکانی سعی و جہد کرتے رہیں۔

شموگہ جو کرناٹک کا ایک معروف و قدیم شہر ہے، وہیں دراصل ہمارا دعوتی قیام تھا۔ لہذا پہلے اس سے متعلق چند باتیں.....، نومبر ۱۹۹۶ء میں وہاں کے کشت زاروں میں سلفیت کا پہلا تخم پڑا، اس سے قبل وہاں کے کوہ و دمن سلفیت کی حقیقت سے کجا اس کے نام تک سے ناآشنا تھے، داستان شوق کا آغاز کچھ اس طرح ہوا کہ ایک مولوی صاحب اکثر کہا کرتے تھے کہ ایک جماعت سلفیت کے نام سے موسوم ہے، اس کے اخلاقی پہلوؤں سے قطع نظر ان کے اعتقادی امور ہم سے کہیں زیادہ پختہ و قوی ہیں، چنانچہ چند نوجوانوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی، پھر اس جماعت کی تلاش میں سرگرداں اور جستجو میں مصروف ہوگئے، جمعہ کا دن آیا، چند نوجوان پوری منصوبہ بندی کے ساتھ چترادرگاہ پہنچ گئے کہ وہاں سلفیت کا زور تھا اور اسی کے جام و سبو گردش میں تھے، وہاں اسماعیل بھائی ''جو جسمانی طاقت و ہمت اور مالی جاہ و عظمت کے اعتبار سے فائق تھے'' سے ملاقات ہوگئی، گفتگو کے بعد خطیب بے مثال علامہ احسان الٰہی ظہیر کی کیسیٹس سنائی گئیں، اب ان پر حقیقت آشکارا ہوچکی تھی، واپس آکر سلفیت کی دعوت و تبلیغ اور نشر و اشاعت کا پوری ہمت کے ساتھ بیڑا اٹھایا، یہی دعوت و عمل کا نقطۂ آغاز ہے، اس میں ''محمد اسماعیل بھائی'' کا نام غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے، اس کے بعد اسی سال رجب ۱۹۹۶ء میں جماعت اہل حدیث اور اسی

کے ساتھ ایک مکتبہ بھی قائم کیا گیا، اسی دوران کرناٹک بلکہ ہندوستان کی معروف شخصیت مولانا عبدالوہاب جامعی حفظہ اللہ (سابق نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند) سے ملاقات ہوگئی، توانہوں نے کشت ویراں کے ان باشندوں کو مہر وفا کے جام دیئے، اور سلفیت کے اس ننھے پودے کی پورے اخلاص و ہمدردی کے ساتھ آبیاری کی، یہاں تک کہ آج ان کی نگاہوں کے سامنے یہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے، فجزاه الله خيرما يجازى به عباده الصالحين۔ شیخ کے تعاون سے اس لائبریری میں پنج وقتہ صلوٰت کے ساتھ ساتھ جمعہ کی نمازوں کا بھی اہتمام ہونے لگا، پھر فطرت کے مطابق سلفیت تیزی سے اپنا رنگ دکھانے لگی، اس انفعالی وافتعالی سرعت نے دوسرے مکتب فکر کے لوگوں کی نیندیں حرام کر دیں، اور چیرہ دستیوں وریشہ دوانیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا، پہلی عیدالفطر کی نماز چند افراد نے شہر سے دور جا کر ادا کی، بیبا کی کے اس مظاہرہ کو دیکھ کر دو مسلک کے حاملین نے اجتماعیت کے ساتھ لائبریری پر حملہ کیا، اور تاریخ کا ایک صاف شفاف ورق لہولہان ہوگیا، مگر اس کے باوجود شمع سلفیت خاموش نہیں ہوگئی۔

حملہ کے بعد پولیس کے مشورہ سے کرایہ کی وہ جگہ خالی کردی گئی اور R.M.L نگر میں وسیع زمین لے لی گئی، جہاں لائبریری کے ساتھ ایک پرشکوہ مسجد شیخ جامعی کے تعاون سے قائم کردی گئی، یہ مسجد یاران نکتہ داں کی آنکھوں کا تنکا بن گئی، کئی حملے ہوئے، مگر اب سلفی اخوان ضروری قوتوں سے لیس ہو چکے تھے، وہاں کے باذوق ذمہ داروں نے سلفیت کے تعارف پر مشتمل ایک جلسہ کا انعقاد کیا، اس کا فائدہ یہ ہوا کہ جلسہ کے اثرات لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہوگئے، چنانچہ ایک مسلک کے حاملین نے مناظرہ کا اعلان کردیا۔

اسماعیل بھائی نے اس مناظرہ کی بابت پریشانی کے عالم میں شیخ عبدالوہاب جامعی کو خبر دی، تو عزم وحوصلہ کے اس شاہین اور ہمت وجرأت کے اس عقاب نے نہایت بےخوفی اور تبسم آمیز لہجے میں کہا: کہ آپ تحریری طور پر ان سے طے کرلیں کہ مناظرہ کہاں ہوگا، کب ہوگا، عالم کون ہوگا؟ سیکورٹی ودیگر انتظامات کا جو خرچ ہوگا اس میں ہم دونوں شریک ہوں گے، اسماعیل بھائی کا بیان ہے کہ میں حیران تھا کہ معاملہ کہیں الجھ نہ جائے، مگر شیخ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے میں نے ان سے مذکورہ نکات پر گفتگو کی، اور ایک ہفتہ میں جواب طلب کیا، پھر کیا تھا اس کے بعد ایسی طویل خموشی کہ جیسے زبانوں پر قفل چڑھ گئے ہوں، اس کے بعد اندازہ ہوا کہ اہل علم کی نگاہ کہاں تک ہوتی ہے، اور شجاعت ومردانگی کے کیسے کیسے جوہر ان کے سینے میں محفوظ ہوا کرتے ہیں۔

اس نامرادی کے بعد انہوں نے سلفیان شموگہ کا سوشل بائیکاٹ کردیا، اور پولیس اسٹیشن میں ان کے خلاف افترا پردازیوں اور بہتان تراشیوں کا ایک سلسلہ قائم کردیا، ایک مرتبہ ہائیر آفیسر نے اسماعیل بھائی کو بلایا، اسماعیل بھائی اپنے دوساتھیوں سرمد حسین (محکمۂ ریل افسر) اور رحمت اللہ کو ساتھ لے گئے، وہاں دوسرے مکتب فکر کے حاملین کا اژدھام تھا، تین گھنٹہ تک پوری بھیڑ کا یہ چند افراد جواب دیتے رہے، چنانچہ، انٹلی جنس کے اعلیٰ افسر (جو غیر مسلم تھے) نے آخری وفیصلہ کن سوال کیا۔ کہ کیا تمہارے محمد ﷺ نے چار ائمہ کی اتباع کا حکم دیا ہے؟ اس حیرتناک سوال نے مخالفین پر سکتہ طاری ہوگیا، ان

کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، بالآخر جواب نفی میں دیا، پھر افسر نے سلفیوں کے حق میں فیصلہ کر دیا، اور کہا کہ اگر تم میں سے کسی نے اس چھوٹی سی جماعت کی طرف آنکھ اٹھائی تو سب کو اندر کر دوں گا، اس کے بعد انہوں نے کتابیں لکھنا شروع کر دیں، مثلاً کالا ناگ، حنفی مذہب کی نماز حدیث کی روشنی میں، وغیرہ ان تمام مخالفتوں اور ریشہ دوانیوں کے علی الرغم سلفیان شموگہ نے اپنے دعوتی مشن کو جاری رکھا، اس سلسلے میں جن علماء نے ان کا تعاون کیا وہ درج ذیل ہیں۔

شیخ عبدالوہاب جامعی، شیخ انیس الرحمٰن اعظمی، شیخ معراج ربانی، شیخ ظفر الحسن مدنی، شیخ عبدالوکیل مدنی، شیخ ثناء اللہ نظامی، شیخ عظمت اللہ پنجابی، شیخ عبدالغفور سرسی، شیخ جلال الدین قاسمی اس کے علاوہ بی منصور صاحب اور عاطف حسین صاحب نے خصوصی مدد کی۔

اس ضمن میں یہ بات ذکر کر دینا مناسب ہے کہ دعوتی کاموں کے حوالے سے محبّ گرامی قدر مولانا مختار احمد جامعی حفظہ اللہ اور اسماعیل بھائی (صدر جمعیت) نے اپنی کوششوں سے ایورگرین (Ever Green) نامی "Monority Education welfare Society" سوسائٹی تشکیل دی ہے، جس کے تحت ''ہبلی'' میں ایک دعوۃ سینٹر بھی چل رہا ہے، اس کے اہم مقاصد میں معاشی مسائل کا حل، سودی نظام کا معاشرتی بائیکاٹ، حلال روزی کی فراہمی کے ذرائع، ایک تعلیم گاہ کا قیام اور خدمت خلق وغیرہ شامل ہیں، یہ سوسائٹی دو سالوں سے قائم تھی، مگر کوئی خاطر خواہ سرگرمی نہیں تھی، اب اس کی تشکیل نو ہوگئی ہے، اس کے ابتدائی پروگرام میں راقم بھی مدعو تھا، اور اس نے اس سوسائٹی کے اہداف و مقاصد پر مختصراً روشنی بھی ڈالی، اس کے بعد اس کا اجمالی خاکہ اور لائحۂ عمل تیار کیا گیا، لائحۂ عمل بہت وسیع اور ہمہ جہت ہے اگر یہ کام ہو جائے تو اپنے اعتبار سے یہ عظیم خدمت ہوگی۔ اللھم وفقھم جمیعا۔

ہمارا اصل قیام شموگہ ہی میں تھا، مگر اسماعیل بھائی نے ہمیں کرناٹک کے دیگر بڑے سلفی علاقوں کی سیر کرائی، پروگرام کچھ یوں بنا کہ شیخ جامعی خطبۂ جمعہ کی مناسبت سے شموگہ تشریف لائے تھے، اسی دوران انہوں نے اپنے ''کلیة فاطمة الزھراء'' میں پروگرام کی خبر دی اور ہمیں اس میں شرکت کی پرزور دعوت دے گئے، تین دن کے بعد ہمارا پروگرام طے ہو گیا اور فجر کے بعد تین آدمیوں پر مشتمل ہمارا قافلۂ شوق ''ہرپن ہلی'' کو روانہ ہوا، ہرپن ہلی (Harpanahalli) شموگہ سے تقریباً ۱۳۰ کلومیٹر کی دوری پر ہے، راستے بھر دشت و کوہسار اور پتھریلی زمینوں سے سابقہ رہا، درمیان میں ایک جگہ ہری ہرہ (Harihar) ہے، وہاں سلفیت کی ایک معتد بہ تعداد ہے، دیگر مسجدوں کے علاوہ ایک قدیم تاریخی مسجد ''مسجد مبارک'' کے نام سے معروف و مشہور ہے، وہاں اترے اور مسجد کا جائزہ لیا، مسجد پچاسوں برس قدیم ہے مگر اندرونی حصہ کو نہایت خوبصورت انداز میں جدید طرز تعمیر پر بنایا گیا ہے، اندرونی حصہ کی رونق و ملاحت بیرونی حصہ کی بے رونقی سے بے نیاز کر دیتی ہے، چونکہ صبح کے تڑکے وہاں ہم پہونچ گئے تھے اس لیے خواہش کے باوجود مولانا ثناء اللہ نظامی اور مولانا عظمت اللہ پنجابی حفظہما اللہ (معروف اہل علم) سے ملاقات نہ ہو سکی، کچھ دیر بعد ہم ''ہرپن ہلی'' کی راہ پر چل پڑے، راہ چلتے وقفہ وقفہ سے یہ احساس

جاگتا رہا کہ ان دور دراز علاقوں میں سلفیت کی دعوت وتبلیغ میں کتنی مشقتیں جھیلنی پڑی ہونگی، علماء نے کیسے کیسے سفر کئے ہوں گے، جب کہ اس وقت راہیں بھی ناہموار اور پر خطر رہی ہوں گی اور حالات بھی دگرگوں، اسماعیل بھائی سے ان خیالات کا تبادلہ ہوتا رہا، اس دوران یہ طویل سافت طے ہوگئی، ہرپن ہلی سے قریب ہم زمین سے قدرے بلند ایک ایسے مقام پر پہونچے جہاں سے پورا شہر بیک جنبش نگاہ باآسانی دیکھا جاسکتا تھا، ذرا سی دیر بعد ہم شہر میں داخل ہوگئے، چند لمحے توقف کے بعد شیخ عبدالوہاب جامعی اور دیگر اہل علم -حفظہم اللہ- سے ملاقات ہوئی، وہاں ہمیں شیخ کی عظیم الشان اور وسیع اعمال و خدمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، آپ نے "اسلامیہ مینارٹی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر" کے نام سے ایک ٹرسٹ قائم کیا ہے، اس کے تحت بہت سے ادارے کام کرتے ہیں۔ اس ٹرسٹ کا قیام ۲۰۰۱ء میں ہوا۔ اس کے مختلف ذیلی ادارے یہ ہیں:

۱-كلية فاطمة الزهراء الإسلامية (نسواں)

۲-دار الأقامة فاطمة الزهراء الإسلامية

۳-كلية عائشة صديقة (نسواں: برائے عصری تعلیم یافتہ)

۴-فاطمہ اردو ہائر پرائمری اسکول (غیر اقامتی)

۵-مدرسہ دارالحدیث (برائے اطفال)

۶-انجمن انوار فاطمہ

۷-امداد وتعاون برائے اعلیٰ تعلیم

یہ پرائمری سے لے کر M.B.B.S تک کے طلبہ کے لیے قائم کیا گیا ہے، یہ شعبہ نہایت سرگرمی سے اپنے فریضہ کی ادائیگی میں کوشاں ہیں، اب تک اس سے 1932 طلبہ مستفید ہوچکے ہیں، یہ بڑی خوش آئند بات ہے، مذکورہ ادارہ میں کام کرنے والے اسٹاف کی مجموعی تعداد ۲۸ ہے اور طلبہ وطالبات کی تعداد 498 ہے۔

''ہرپن ہلی'' میں اصلاً دو پروگرام تھے، ایک نصابی اصلاح سے متعلق اہل علم کی میٹنگ تھی، جس کی راقم کو پیشگی اطلاع نہ تھی، دوسرا پروگرام طالبات کے سامنے ناصحانہ کلمات کا تھا، دونوں میں جامعہ دارالسلام عمرآباد اور جامعہ محمدیہ رائیدرگ کے اہل علم بھی تھے، میٹنگ میں شیخ نے ''دیگر اہل علم کے ساتھ'' ہمیں بھی اظہار خیال کی دعوت دی، نصاب کا خاکہ سامنے رکھتے ہوئے ہم نے عربی انشاء سے متعلق چند چیزوں کی طرف اشارہ کیا، اور بعض کتابیں بھی بتائیں، مصطلح کے فن پر وہاں ''تیسیر مصطلح الحدیث'' داخل ہے، ہم نے بتایا کہ اس میں بہت ساری منہجی غلطیاں ہیں، دقت نظر سے وہ ساری چیزیں سامنے آسکتی ہیں، مثلاً د/طحان نے مرسل حدیث کی مثال صحیح مسلم سے دی ہے، ہم مصنف سے حسن ظن رکھتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ انہوں نے غیر ارادی طور پر ذکر کردیا ہوگا، لیکن اگر عمداً ایسا کیا ہے تو اس کے علاوہ اس کا کوئی مطلب نہیں کہ وہ صحیحین کی حدیثوں کو مشکوک کرنا چاہتے ہیں، مناسب تھا کہ جو کتابیں خاص مراسیل کے موضوع پر لکھی گئی ہیں ان سے مثالیں نقل کرتے، مگر وہ ایسا

نہ کر سکے، فنفوض أمره إلى الله۔

اس کے معاً بعد دوسرا پروگرام تھا، اس میں شیخ نے مجھے بھی گفتگو کا حکم دیا، ہر خطیب کے لیے ۱۵/ منٹ کا وقت مقرر تھا، پہلے جامعہ دارالسلام عمر آباد کے لائق استاذ شیخ عبدالغفور عمری اس کے بعد جامعہ محمدیہ رائیدرگ کے لائق استاذ شیخ ابوحمدان اشرف فیضی/ حفظہم اللہ نے علی الترتیب قرآن مجید سے وابستگی اور علم کی اہمیت جیسے اہم موضوعات پر گفتگو کی، اس کے بعد ناچیز کو دعوت دی گئی، اس نے اہل علم کی علمی مجلس کا اعتبار کرتے ہوئے عربی میں تقریر کی، جس میں شیخ کی خدمات کو سراہا گیا، طالبات کو محنت، جفاکش اور دعوتی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی، اس کے بعد ناظم کلیہ شیخ آر، ڈی عمر فاروق عمری/ حفظہ اللہ نے نہایت خوبصورت اور سلیقہ مند انداز میں تقریر کا ترجمہ کیا، اخیر میں شیخ عبدالوہاب جامعی/ حفظہ اللہ نے طالبات کو اپنی قیمتی نصیحتوں سے نوازا، ساتھ ہی مہمان علماء کرام کا شکریہ ادا کیا، اسکے بعد محفل کے اختتام کا اعلان ہوا، پھر ناظم کلیہ شیخ آر- ڈی عمر فاروق عمری/ حفظہ اللہ نے ہمیں پورے ٹرسٹ کا معاینہ کرایا، شیخ کی عظیم الشان علمی خدمات کو دیکھ کر دل کو سکون ہوا، اور قلب مسرت وشادمانی کے ساز سے معمور ہوگیا، اور سوچا کہ اس دور دراز گوشے میں سلفیت کے باغ کس طرح لہلہا رہے ہیں، اور رنگ رنگ کے پرندے کس طرح دلکش نغمے فضا میں بکھیر رہے ہیں، ہڑپن پلی میں تقریباً ۷ مسجدیں ہیں، کلیہ کی جو مسجد ہے جدید طرز پر تعمیر کی گئی ہے، جو اعلیٰ ذوقی کی شاہکار ہے، اگر ماحصل کے طور پر کہا جائے کہ اس خطہ اور اس کے مضافات میں علم کے جو چراغ اور عمل کے جو دیپ جل رہے ہیں وہ اسی ٹرسٹ کے اثرات ومظاہر ہیں تو مبالغہ نہ ہوگا۔

''ہرپن ہلی'' سے واپسی کے بعد غالباً تین دنوں کے وقفے سے ہمارا سرسی (Sirsi) اور ہیرور (Heroor) کا سفر ہوا، شموگہ سے سرسی تقریباً ڈھائی سو کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے، درمیان میں ایک جگہ جوگ فالس (Jog Falls) ہے، اسماعیل بھائی نے بتایا کہ یہ ایشاء کا سب سے بڑا فالس ہے، ہزاروں میٹر کی اونچا سے زمین کی سطح پر پانی گرتا ہے، وہاں بجلی تیار ہوتی ہے، سیاحین جہاں سے یہ دلکش نظارہ دیکھتے ہیں، اس کے چاروں جانب کوہساری سلسلہ ہے، وہاں کے بہت سے مناظر ایسے ہیں، جو ذہن انسانی کو اپنے حسن جاذبیت کا اسیر بنالیتے ہیں، مثلاً پہاڑوں کی بلندی سے زمین کی گہرائی میں پانی گرنا، بادلوں کا پہاڑوں کا چھپا دینا، مختلف جھرنوں کے دلکش آواز ے کی بازگشت، اور اس سے اٹھتے ہوئے پرکیف نغمے، اور اس کے علاوہ بہت کچھ.....، انسانوں کی ہزاروں صنعت گریاں حسن ازل کی صرف ایک کرشمہ سازی پر قربان و نچھاور....، ان احساسات کے ساتھ ہم سرسی کے لیے روانہ ہوگئے، راستہ پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلات کے درمیان طے ہوا، رم جھم کا موسم اور باران رحمت کی بوندیں تا انتہا ہم سفر رہیں، تقریباً ۱۱/ بجے دن میں منزل پہ پہونچ گئے، وہاں دیگر اہل علم کے ساتھ ہمارے بے تکلف دوست ''حافظ سلیم سرسی'' سے ملاقات ہوگئی، جن کے ظریفانہ لہجے پر موسم کی تبدیلیاں اور طبیعت کی افسردگیاں اثر انداز نہیں ہو پاتیں، انہیں کے ساتھ ہم ایک قدیم سلفی مسجد پہونچے، وہیں سے متصل ایک ادارہ ''فاطمة الزهراء للبنات'' قائم ہے، جہاں الحمدللہ عالمیت تک کی تعلیم ہوتی ہے، اس کی عمارت نہایت خستہ حال تھی، مگر اب چند لوگوں کی ہمت سے دوبارہ از سر نو اس کی تعمیر ہو چکی ہے، وقت کم تھا، اس لیے فوراً سرسی کی جامع مسجد پہونچے، یہ مسجد ایک چھوٹی سی پہاڑی پر ہے،

چار منزل پر مشتمل ہے، نہایت شاندار اور عالی شان ہے، اس کی اوپری منزل سے پورے شہر کا منظر دکھائی دیتا ہے، یہ سرسی کی سب سے بڑی جامع مسجد ہے، اس کا رقبہ وسیع ہے، احاطہ میں کمرشیل عمارتیں بھی ہیں، اس مسجد کی پرانی اینٹیں سرسی میں سلفیت کی قدیم تاریخ کی طرف اشارہ کرتی ہیں، سرسی کرناٹک کا سب سے قدیم سلفی شہر ہے، وہاں بجز چند ایک کے سب لوگ سلفی الفکر ہیں، مسجد میں نماز پڑھ کر بھلا معلوم ہوا، اور ایک بار پھر اسلاف کی بے داغ محنتیں یاد آگئیں، ایسا کیوں نہ ہو......

لیس الفؤاد محل شوقك وحده

کل الجوارح فی هواك فؤاد

اس عظیم تاریخی شہر کی زمین بڑی زرخیز ہے، ہمارے رفیق حافظ سلیم صاحب ہمیں اپنے باغ میں لے گئے، جہاں انا ناس، کیلے، ربر، پپیتے، ادرک اور بیڑی وغیرہ کے درخت دیکھے، چند لمحے بعد ہم وہاں سے واپس ہو رہے تھے، اسماعیل بھائی نے مشورہ دیا کہ راستہ سے ذرا ہٹ کر ایک قریہ ہیرور ہے جہاں خالص سلفیت ہی سلفیت ہے، اگر مناسب ہو تو وہاں سے گذرتے ہوئے نکلیں، میری رضامندی پر انہوں نے گاڑی کا رخ اس جانب موڑ دیا، اور وہاں کے عالم دین مولانا محمد عفان عمری/حفظہ اللہ کو ہمارے آنے کی اطلاع دے دی، ہم وہاں پہونچے تو مولانا وہاں استقبال کے لیے چشم براہ تھے، علیک سلیک کے بعد کچھ دیر گفتگو ہوئی، وہ ہمارے مضامین کے حوالے سے ہمیں بخوبی جانتے تھے، اور ملاقات پر خوشی کا اظہار بھی کیا، ....مولانا کے مطابق ...ہیرو ایک ایسا قریہ ہے جس کی کل مسلم آبادی/700 ہے، سب لوگ سلفی المسلک ہیں، نینی تال سے غالباً کوئی عالم دین آئے تھے، جن کی دعوت وتبلیغ کے اثر سے پورا قریہ سلفی ہوگیا، 1977ء میں مولانا محمد عفان عمری اور مولانا محمد قاسم عمری/حفظہما اللہ نے اس گاؤں میں دعوت وتبلیغ کا آغاز کیا، چنانچہ ان کی محنتوں اور گاؤں والوں کے تعاون سے ''اپریل 2002ء میں ایک ''کلیة عائشه صدیقة العربیة للبنات'' کے نام قائم ہوا، ساتھ ہی ایک پرشکوہ مسجد، مدرسہ تعلیم القرآن ایڈڈ اور حرا مینارٹی ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی کا قیام ان کی سرگرمیوں کا منھ بولتا ثبوت ہیں، ''کلیہ عائشہ صدیقہ العربیہ للبنات'' میں اولیٰ سے فضیلت تک کی تعلیم ہوتی ہے، مقامی و بیرونی طالبات کی تعداد/170 ہے، ۸/ جید معلمین ومعلمات تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، مولانا نے ایک عمدہ مکتبہ بھی قائم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ادارہ کو مزید ترقی سے نوازے، آمین۔

ایسے دور دراز علاقے میں دینی بیداری دیکھ کر دل کو سکون ہوا، سرسی سے ہیرو اور ہیرو سے شموگہ کا راستہ دلکش مناظر کا شاہکار تھا، اس کے ہر جلوہ سے آنکھوں کو، اور اس کے ہر نغمہ سے کانوں کو سرمستی وسرشاری کی پیہم دعوتیں ملیں، خصوصاً دو پہاڑوں کے درمیان کے وہ راستے جو پل کی صورت میں دریا عبور کرنے میں معاون ہوتے ہیں۔

ان مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہوئے تین آدمیوں پر مشتمل (اسماعیل بھائی، احمد بھائی انجینئر، اور راقم) ہمارا یہ قافلہ شموگہ واپس آگیا، اور ہم وہاں سے اعظم گڈھ اپنے دیار میں آگئے۔ یہ سفر ۲۵/ جولائی ۲۰۱۲ء سے شروع ہو کر ۳/ ستمبر ۲۰۱۲ء کو تمام ہوا۔ والحمدلله الذی بنعمة تتم الصالحات۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ کا ششماہی امتحان اختتام پذیر:

جامعہ سلفیہ کے تعلیمی سال ۲۰۱۳-۲۰۱۲ء کا ششماہی امتحان بروز منگل ۲۲/ جنوری ۲۰۱۳ء کو شروع ہوکر بروز منگل ۵/ فروری ۲۰۱۳ء کو بحسن خوبی اختتام پذیر ہوگیا، نیز ۲۶/ جنوری کو یوم جمہوریہ کی تعطیل نیز ۲۵/ جنوری و ۱/ فروری کو جمعہ کی تعطیل کی وجہ سے ان دنوں میں امتحان نہ ہوا۔ امتحان روزانہ ایک نشست ساڑھے آٹھ بجے صبح سے ساڑھے گیارہ بجے تک ہوا۔

جامعہ کی مسجد، سیمینار ہال، دارالحدیث ہال اور زیر مسجد ہال کو امتحان گاہ کے طور پر استعمال کیا گیا۔ شیخ الجامعہ مولانا نعیم الدین صاحب مدنی اور مدیر الامتحانات مولانا سعید میسور مدنی صاحب کے علاوہ ۲۵/ اساتذہ نے نگرانی کے عمل کو انجام دیا۔

امتحان دینے والے جامعہ میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد (۶۱۰) تھی جن میں سے (۶) طلباء غیر حاضر تھے جب کہ ملک کے چھ صوبوں یوپی، بہار، بنگال، اڑیسہ، گجرات، راجستھان میں قائم جامعہ کی ۲۲ شاخوں کے (۲۰۹) طلباء نے بھی جامعہ میں آکر امتحان دیا نیز امتحان میں شریک شعبۂ تجوید وحفظ کے طلباء کی تعداد ان کے علاوہ ہے۔

فضیلۃ الشیخ محمد خالد منصور کی جامعہ سلفیہ آمد:

مورخہ ۱۲ جنوری ۲۰۱۳ء کو فضیلۃ الشیخ الاستاذ الدکتور محمد خالد منصور جامعہ سلفیہ بنارس تشریف لائے موصوف عالم اسلام کی ایک موقر علمی شخصیت ہیں، انہوں نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے ایم-اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد جامعہ اردن سے پی-ایچ-ڈی مکمل کی ہے، بعد ازاں تقریبا دو سال کلیۃ القرآن الکریم جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ سردست موصوف جامعہ اردن کے قسم الشریعۃ میں رئیس قسم ہیں اور علم تجوید وقرأت کے میدان میں الوسیط کے نام سے ایک الیکٹرانک بک بھی تصنیف کی ہے جو جامعہ اسلامیہ میں داخل نصاب ہے، اسی کتاب کا ایک الیکٹرانک نسخہ جامعہ سلفیہ کو بھی ہدیہ کر گئے ہیں اس تاکید کے ساتھ کہ سینٹرل لائبریری اور دیگر عام استعمال کے کمپیوٹروں پر اسے انسٹال کردیا جائے تاکہ طلبہ اور دیگر وابستگان علم اس سے مستفید ہوسکیں، ان تمام مصروفیات کے ساتھ ڈاکٹر صاحب موصوف اردن میں سلفی تحریک کے روح رواں بھی ہیں، دوران قیام جامعہ موصوف نے طلبہ سے ایک مفید خطاب فرمایا اور اپنی مذکورہ کتاب کا تعارف پیش کیا۔ ایسے متواضع ذی علم حضرات کی اس دور میں قدر دانی کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی شخصیات کی آمد کا سلسلہ جامعہ میں جاری رکھے تاکہ طلبہ اور دیگر تشنۂ طلب لوگوں کی سیرابی کا انتظام رہے۔

سنت نبوی اور امن عالم کانفرنس:

جامعہ سلفیہ بنارس میں منعقد ہونے والی دوروزہ بین الاقوامی کانفرنس بعنوان ''سنت نبوی اور امن عالم'' بتاریخ ۱۶، ۱۷ مارچ ۲۰۱۳ء بروز سنیچر واتوار کی تیاری اب اپنے آخری مرحلہ میں ہے۔

کانفرنس میں ملک وبیرون ملک سے شرکت کرنے والی مؤقر شخصیات میں سے اکثر وبیشتر نے اپنی شرکت کی منظوری دے دی ہے، نیز اس موقع پر منعقد ہونے والا علمی سیمینار کے فاضل مقالہ نگاران جن کی تعداد تقریبا پچاس ہے، جو ملک کے مشہور تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں اور صحافت سے منسلک ہیں، انھوں نے بھی اپنی اپنی شرکت کی اطلاع دی ہے۔

اس کانفرنس میں متعدد مذاہب کے نمائندگان ملک وملت کے عمائدین اور جامعہ سلفیہ کے ابنائے قدیم کی ایک بڑی تعداد اپنی موجودگی سے اس کانفرنس کو زینت بخشے گی، ان شاء اللہ۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

عرب ممالک متحد ہوکر چیلنجوں کا مقابلہ کریں:

خادم الحرمین الشریفین شاہ عبداللہ نے عرب ممالک پر زور دیا ہے کہ عرب معیشت کو درپیش چیلنجوں پر قابو حاصل کرنے کے لیے متحد رہنا ازحد ضروری ہے اور ساتھ ہی عرب مساعی کو مزید مستحکم بنانے کے جدوجہد برقرار رہنی چاہئے۔عرب معاشی وسماجی ترقی کے تیسرے اجلاس کے اختتامی سیشن میں سعودی فرمانروا شاہ عبداللہ کا پیغام ولی عہد پرنس سلمان بن عبدالعزیز وزیر دفاع نے پڑھ کر سنایا۔انہوں نے کہا کہ عرب ریاستوں کے ترقیاتی مسائل دشوار اور پیچیدہ ہیں۔جس کی وجہ سے کئی بڑے مسائل جیسے غربت، بے روزگاری وغیرہ پر کنٹرول حاصل کرنا مشکل ہے۔ (روزنامہ انقلاب،۵/۱/۲۰۱۳)

سعودی عرب کے مفتی اعظم کا بیان:

سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز آل شیخ نے مختلف علماء کی جانب سے فتاوی کے اجرا کے رجحان کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ یہ احباب ایسا میڈیا کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کررہے ہیں۔اکثر اوقات متنازعہ فتوے جاری کرنے والے مبلغین حضرات عوام میں نمایاں ہونے کی تمنا اور خواہش کے زیر اثر ایسا کرتے ہیں۔اس طرح غلط اور غیر مستند باتوں کی تشہیر کا امکان رہتا ہے۔ایسے لوگوں کی جانب سے جو فتوی دینے کے اہل نہیں ہیں ان کا کہنا ہے شرعی فتاویٰ کو شرعی اصول وضوابط کے تحت ہی جاری کیا جاتا ہے۔ (سنڈے انڈین-فروری ۲۰۱۳ء)

ایتھنز میں کوئی مسجد نہیں:

یورپ میں ایتھنز ایک ایسا دارالحکومت ہے، جہاں کسی مسجد کا اب تک وجود نہیں ہے۔یونان میں تقریبا ۹۰ فیصد سے زائد قدامت پسند عیسائیوں کی آبادی ہے،اور بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ وہاں مسجد بنانا غیر قانونی یا ان کی تہذیب کے خلاف ہے۔۵۰ لاکھ کی آبادی والے ایتھنز میں تقریبا ۱۳ لاکھ آبادی مسلمانوں کی ہے۔یونان ۱۸۳۲ء میں سلطنت عثمانیہ سے آزاد ہوا تھا، تبھی سے کسی بھی حکومت نے شہر میں مسجد کی تعمیر کی اجازت نہیں دی۔یونان نے جمہوریت، تہذیب اور مذاہب کے تعلق سے اگرچہ رواداری کا سبق سکھایا، تاہم وہ اپنے ہی ملک کے مسلمانوں کو اتنی مذہبی آزادی نہیں دی کہ وہ نماز پڑھنے کے لیے ایک مسجد قائم کرلیں۔اس لیے وہاں کے مسلمان مسجد نہ ہونے کے سبب تہ خانوں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ (دی سنڈے انڈین:۲/۱۳)

☆☆☆

باب الفتاوی

سوال: اسلام میں سلام کی اہمیت اور اس کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب بعون اللہ الوھاب وھوالموفق للصواب:

اسلام میں سلام کو بہت اہمیت دی گئی ہے بلکہ اسے حقوق مسلم میں شمار کیا گیا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "حق المسلم على المسلم ست إذا لقيته فسلم عليه، وإذا دعاك فأجبه، وإذا استنصحك فانصحه، وإذا عطش فحمد الله فشمته، واذا مرض فعده واذا مات فاتبعه" (مختصر صحیح مسلم: ۱۴۱۸) یعنی ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ (بنیادی اور اہم) حق ہیں، جب تم اس سے ملو تو سلام کرو، اور جب وہ تمہاری دعوت کرے تو اس کی دعوت قبول کرو، اور جب وہ تم سے نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کرو اور جب اسے چھینک آئے اور "الحمد لله" کہے تو جواب میں "يرحمك الله" کہو اور جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور جب مر جائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ جاؤ۔

اس حدیث پاک میں مذکور حقوق مسلم میں سے پہلا حق سلام کرنا ہے۔

سلام کرنا سنت موکدہ ہے، یہ مسلمانوں میں باہمی الفت ومحبت پیدا کرنے کے وسائل واسباب میں سے ہے جیسا کہ مشاہدہ سے ثابت ہے اور رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی اس پر دلالت بھی کرتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"والله لا تدخلوا الجنة حتى تؤمنوا ولا تؤمنوا حتى تحابوا، أفلا أخبركم بشيء إذا فعلتموه تحاببتم، أفشوا السلام بينكم" (صحیح مسلم ح: ۵۴ بحوالہ ریاض الصالحین ح: ۸۴۸) اللہ کی قسم تم جنت میں نہیں جاسکتے یہاں تک کہ مومن ہو جاؤ اور تم (کامل) مومن نہیں ہو سکتے یہاں کہ آپس میں محبت کرنے لگو کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤں کہ اگر تم اسے کرنے لگو تو آپس میں محبت کرنے لگو گے، تم لوگ اپنے درمیان سلام کو عام کرو۔

اللہ کے رسول ﷺ جس سے بھی ملتے سلام میں پہل کرتے اور بچوں کے پاس سے گذرتے تو انہیں بھی سلام کرتے، سنت تو یہ ہے کہ چھوٹا بڑے کو اور چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کرے، سوار پیدل کو، چلنے والے بیٹھنے والے کو سلام کرے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "يسلم الراكب على الماشي، والماشي على القاعد، والقليل على الكثير" (متفق علیہ) وفي رواية للبخاري "يسلم الصغير على الكبير"۔ اور اگر جس کا حق ہوتا ہے وہ سنت پر عمل کرتے ہوئے سلام میں پہل نہ کرے (جبکہ کرنا چاہئے) تو دوسرے کو سنت پر عمل کرنا چاہئے تا کہ سلام رائیگاں نہ ہو، اگر چھوٹا سلام

کرنے میں پہل نہ کرے تو بڑے کو سلام کرلینا چاہئے اور اگر چھوٹی جماعت پہل نہ کرے تو بڑی جماعت کو چاہئے کہ سلام کرکے پہل کا ثواب حاصل کرے، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ثلاث من جمعهن فقد استكمل الإيمان الانصاف من نفسك، وبذل السلام للعالم، والإنفاق من الإقتار" یعنی تین خصلتیں ایسی ہیں جو ان کو جمع کرلے تو اس نے ایمان کو مکمل کرلیا، اپنے آپ سے انصاف کرنا، سارے لوگوں کو سلام کرنا، اور تنگی کے باوجود خرچ کرنا۔

محترم قارئین!

سلام میں پہل کرنا اگرچہ سنت ہے، لیکن سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے، جب کسی مسلمان کو دوسرا مسلمان سلام کرے تو اس کا جواب کم از کم ''وعلیکم السلام'' کے الفاظ کے ساتھ دینا چاہئے اور کوشش یہ کرنی چاہئے کہ جواب اس سے بہتر دیا جائے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها إن الله كان على كل شيء حسيبا﴾ (النساء:۸۶) یعنی جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا انہیں الفاظ کو لوٹا دو، بے شک اللہ تعالی ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔

امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک صحابی نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور انہوں نے کہا: ''السلام علیک ورحمۃ اللہ''، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ'' پھر ایک اور آیا اس نے کہا: ''السلام علیک یارسول اللہ ورحمتہ'' آپ نے اسے جواب میں کہا: ''وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''، پھر اس کے بعد ایک صحابی اور آئے اور انہوں نے کہا: ''السلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''، آپ نے اسے کہا: ''وعلیک'' اس صحابی نے آپ سے کہا: اے اللہ کے نبی! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ کے پاس فلاں فلاں شخص آیا، انہوں نے سلام کیا، آپ نے ان کے جواب میں زیادہ کلمات کہے، اس کی نسبت جو آپ نے مجھے جواب دیا ہے، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم نے ہمارے لیے کوئی چیز نہیں چھوڑی، ارشاد باری تعالی ہے: "وإذا حييتم بتحية فحيوا بأحسن منها أو ردوها" (النساء:۸۶) اور جب تم پر سلام کہا جائے تو اس سے اچھا جواب دو یا انہیں الفاظ کو لوٹا دو، ہم نے تجھ پر اسے لوٹا دیا ہے۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

"وفي هذا الحديث دلالة على أنه لا زيادة في السلام على هذه الصفة السلام عليكم ورحمة الله وبركاته إذا لو شرع أكثر من تلك لزاده رسول الله ﷺ" (تفسیر ابن کثیر ۱/۶۹۴)

اس حدیث میں اس بات پر دلالت ہے کہ سلام کہنے میں ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' سے زیادہ کلمات نہیں کہنے چاہئیں، اگر اس سے زائد کلمات مشروع ہوتے تو رسول اللہ ﷺ زیادہ کردیتے۔

سلام کے جواب میں اھلا وسھلا'' کہنا یا سلام کی جگہ Good Morning وغیرہ کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ نہ تو

یہ سلام سے بہتر ہے اور نہ اس کے مساوی ہے، اس لیے جب کسی مسلمان سے ملاقات ہو تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا چاہئے، اور اگر کوئی سلام کرے تو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ سے جواب دینا چاہئے۔

سلام کرنا، یا سلام کا جواب دینا ہاتھ یا سر کے اشارے سے درست نہیں ہے، حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے مروی ہے: "لا تسلموا تسليم اليهود والنصارى فان تسليمهم بالأكف والرؤوس والاشارة" (الصحیحۃ للعلامہ البانی ؒ ح:۱۷۸۳) یہود ونصاری کی طرح سلام نہ کرو، بلاشبہ ان کا سلام ہاتھوں، سروں اور اشاروں کے ذریعہ ہوتا ہے۔

حافظ ابن حجر ؒ نے اس روایت کو جید کہا ہے۔ (فتح الباری ۱۱/۱۹)

امام عطاء بن ابی رباح ؒ فرماتے ہیں:

"كانوا يكرهون التسليم باليد" (الأدب المفرد: ۱۰۳۵) یعنی ہاتھ اٹھا کر سلام کرنے کو سلف صالحین ناپسند کرتے تھے۔

لہذا معلوم ہوا کہ ہمیں سلام کے مسنون کلمات ادا کرنے چاہئیں، صرف ہاتھ کے ساتھ اشارہ کرنا، سر ہلانا یا ہتھیلی سے سلام نہیں کرنا چاہئے، یہ یہود ونصاری کا طریقہ ہے، سلف صالحین اسے پسند نہیں کرتے تھے، البتہ اگر کوئی اس طرح سلام کرے جو سنا نہ جاسکتا ہو تو سلام کے الفاظ کے ساتھ ہاتھ کا اشارہ (بغیر سر جھکائے) کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور کوئی حالت نماز میں ہو اور اسے کوئی سلام کرے تو ایسی صورت میں اس کا جواب زبان سے نہیں بلکہ صرف ہاتھ کے اشارہ سے دے، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے حضرت بلال ؓ سے کہا کہ نبی کریم ﷺ جب نماز پڑھ رہے ہوتے اور کوئی سلام کرتا تو کیسے جواب دیتے تھے؟ حضرت بلال ؓ نے کہا کہ: كان يشير بيده" آپ ﷺ اپنے ہاتھ سے اشارہ کر دیتے تھے۔ (جامع ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الاشارۃ فی الصلاۃ ح:۳۶۸)

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نماز میں مشغول شخص کو سلام کیا جاسکتا ہے، اگر یہ درست نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ خود ہاتھ کے اشارے سے جواب نہ دیتے بلکہ اس سے روک دیتے۔

الجواب صحیح
علی حسین سلفی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب
ابوعفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆